قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

اکتیسواں (۳۱) وعظ مسمی بہ

ترجیح الآخرۃ

منجملہ ارشادات حکیم الامت حضرت مرشدی و مولائی مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

حسب فرمائش جناب حاجی عبدالرحمن صاحب بینڈار رنگون (برہما)

بابتہ ماہ رمضان سنہ ۱۳۴۲ ہجری

احقر شبیر علی عفی عنہ

مالک اشرف المطابع تھانہ بھون کے اہتمام سے چھپا

نمبر ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوعظ المسمّٰی بہ ترجیح الآخرۃ

این	متی	کم	کیف	لم	ماذا	من اشتات	من ضبط	المستمعون	الاشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کیونکر ہوا	کیوں ہوا	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کو زیادہ نفع مقصود تھا	کس نے ضبط کیا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
الہ آباد باغ عبدالباقی خان صاحب	شب دوشنبہ بعد عشا ۱۰ شعبان ۱۳۴۰ھ	۲½ گھنٹہ	کھڑے ہو کر	احباب کی درخواست پر	آخرت کا دنیا سے افضل اور پائدار ہونا بتلا کر اس سے غفلت پر شکایت	ہر طبقہ کو عموماً اور دولتمندوں کو خصوصاً	احقر ظفر احمد تھانوی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ	۹۰۰ تخمیناً	

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ

الرحمن الرحیم ۝ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والاخرۃ خیر وابقی ۝ ان ھذا لفی الصحف الاولی ۝ صحف ابراھیم وموسی ۝ ان آیتوں میں سے مجھے اول آیت کا بیان کرنا مقصود ہے اور اخیر کی دو آیتیں اسی پہلی آیت کی تاکید میں ہیں اسلیئے میں نے بھی تاکیداً انکو پڑھ دیا ہے ورنہ مقصود پہلی آیت ہے کیونکہ وہی اصل ہے اور یہ دونوں اُسکی تابع ہیں پس بیان میں بھی ان کے ساتھ متبوع وتابع کا سا برتاؤ کیا جائیگا اس آیت میں حق تعالیٰ نے ہماری ایک حالت کا بیان فرمایا ہے پھر اُسپر شکایت فرمائی ہے اور جسطرح اس حالت کے درجات مختلف ہیں کہ اسکا ایک درجہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک درجہ اہل ایمان واہل کفر دونوں میں مشترک ہے اسی طرح شکایت کے بھی درجات مختلف ہیں بڑے درجہ میں زیادہ شکایت ہے اور چھوٹے درجہ میں کم لیکن چونکہ چھوٹا درجہ اہل ایمان اور کفار میں مشترک ہے اسلیئے اس درجہ میں شکایت بھی مشترک ہے۔ اب سنیئے وہ حالت کیا ہے اور اسپر شکایت کیا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا اسمیں لفظ بل اعراض کیلیئے ہے یعنی پہلی بات سے اعراض کر کے اُسکے مقابل دوسری بات کا ذکر ہے اس سے پہلے ارشاد ہے قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی ۝ اسمیں فلاح کا طریقہ بتلایا ہے کہ بامراد ہوا وہ شخص جو قرآن سنکر خبیث عقائد واخلاق اور ناشائستہ اعمال سے) پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا اور نماز پڑھتا رہا۔ اسکے بعد لفظ بل اعراض کیلیئے لایا گیا ہے یعنی مگر اے منکرو تم قرآن سنکر اوسے نہیں مانتے اور آخرت کا سامان نہیں کرتے بلکہ تم دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حاصل یہ ہوا کہ فلاح کے مقابل ہماری یہ حالت ہے گو اسمیں مقابلہ کی تصریح نہیں مگر لفظ بل مقابلہ کو بتلاتا ہے کیونکہ وہ موضوع ہے اعراض کیلیئے جسکی حقیقت ہے پہلے کی نفی اور دوسرے کا اثبات اور اثبات ونفی میں تقابل ظاہر ہے پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی کو آخرت پر مقدم کرنا فلاح کے خلاف ہے اور اس سے فلاح مبدل بہ خسران ہو جاتا ہے پس ہماری وہ حالت یہ ہے کہ ہمکو اپنی فلاح کا اہتمام نہیں اور اسپر خدا تعالیٰ کی شکایت یہ ہے کہ تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو پس یہ مضمون نہایت قابل اہتمام ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اسجگہ جو شکایت بیان فرمائی ہے وہ معمولی شکایت نہیں بلکہ اسکا نتیجہ فلاح سے محرومی

اور خسران میں گرفتار ہوتا ہے۔ اوّل تو خود حق تعالیٰ کا شکایت فرمانا یہی ہمارے اہتمام کیلئے کافی محرک ہونا چاہیئے اور ہمکو ڈرنا چاہیئے کہ شاید حق تعالیٰ ہماری ہی شکایت فرما رہے ہوں اور یہ کیا تھوڑی بات ہی کہ احکم الحاکمین کو کسی سے شکایت ہو ایک ادنیٰ حاکم کسی کی شکایت کرتا ہے تو اُسکا کیا حال ہوتا ہے پھر مسلمان کو خدا کی شکایت سنکر ضرور ہبدار ہو جانا چاہیئے خصوصاً جبکہ وہ شکایت ایسی بات کے متعلق ہو جسکا نتیجہ ہمارے ہی حق میں مضرت رساں ہو خدا تعالیٰ کا اُس سے کوئی ضرر نہیں۔ اور ہر چند کہ مخاطب اس آیت کے بظاہر کفار ہیں مگر اس سے ہمکو بیفکری اور جسارت نہیں ہو سکتی کیونکہ دنیا کو آخرت پر مقدم کرنیکے درجات مختلف ہیں کفار میں اُسکا بڑا درجہ ہے اسلئے اُن سے شکایت بھی بڑی ہے اور ہمارے اندر اسکا چھوٹا درجہ ہے تو ہمسے شکایت گو کم درجہ میں ہے مگر ہے ضرور کیونکہ جب منشا موجود ہے تو شکایت ضرور ہو گی پس یہ سمجھکر ہمکو جسارت نہ کرنا چاہیئے کہ اسکے مخاطب کفار ہیں اور ہمارے اندر اُس درجہ کی غفلت نہیں جسدرجہ کی کفار میں ہے کیونکہ جب ہمارے اندر بھی کسی درجہ کی غفلت موجود ہے تو اس سے بیفکری نہیں ہو سکتی۔ دنیوی معاملات میں غور کر لیا جاوے تو معلوم ہو گا کہ جس مضر شئے میں مختلف درجات ہوں ان میں یہ کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ درجہ اعظم کو چھوڑ کر عظیم کو اختیار کیا جاتا ہو عشاق کا مذاق تو سب سے الگ ہی انکو تو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ ناگواری بھی پہاڑ معلوم ہوتی ہے مگر شکم پروروں کو ادنیٰ درجہ میں شائد کچھ گنجایش معلوم ہوتی ہو لیکن اعظم اور عظیم میں تو یہ لوگ بھی ایسا نہیں کرتے کہ اعظم کو چھوڑ کر عظیم کو گوارا کر لیں۔ اور ادنیٰ درجہ میں بھی جو گنجایش انکو نظر آتی ہے وہ دین ہی میں نظر آتی ہے ورنہ دنیا میں تو وہ ادنیٰ درجہ کی مضرت سے بھی ویسے ہی احتیاط کرتے ہیں جیسی بڑی درجہ کی مضرت سے احتیاط کیجاتی ہے مثلاً یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ کوئی شخص اپنے چھپر میں بڑا انگارا پڑنے سے تو احتیاط کرتا ہو اور چھوٹی چنگاری سے احتیاط نہ کرتا ہو بلکہ دونوں سے یکساں احتیاط کیجاتی ہے۔ اسی طرح مٹی کے تیل میں دیا سلائی چھوڑ کر کوئی مطمئن نہیں ہوتا حالانکہ دیا سلائی اسمیں گر کر بعض دفعہ خود ہی گل ہو جاتی ہے مگر پھر بھی احتیاط کیجاتی ہے کیونکہ جتنے لوگ جلے ہیں وہ تنور یا انجن ہی کی آگ میں جلکر نہیں مرے بلکہ اکثر ایک دیا سلائی ہی نے کام تمام کر دیا ہے اسی لئے عقلاء ایک چنگاری سے

ویسا ہی حذر کرتے ہیں جیسا تنور یا انجن سے کرتے ہیں بلکہ چنگاری سے بچنے کی زیادہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ نادان آدمی اسکو خفیف سمجھکر اس سے احتراز کم کرتے ہیں اسی لئے آپنے کسی عاقل کو انجن یا تنور کی آگ سے احتیاط کی تعلیم کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا کیونکہ اس تعلیم کی ضرورت نہیں اس سے تو ہر شخص خود ہی بچتا ہے ہاں ڈبیہ اور چنگاری سے احتیاط کی تاکید کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت دیکھا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ مضرت کا ادنی درجہ زیادہ قابل اہتمام ہے یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی لوگوں سے خلوت کو منع کرتے ہیں زیادہ سخت الفاظ نہیں فرمائے اور نامحرم اقارب سے خلوت کے بارہ میں ارشاد ہے الحمو الموت یعنی کسی نے سوال کیا تھا کہ یارسول اللہ عورت اگر اپنے دیور کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے تو کیسا ہے آپنے فرمایا کہ وہ تو موت ہے۔ اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ اسکو لوگ خفیف سمجھتے ہیں اور خفیف سمجھکر اس سے احتیاط نہیں کرتے اور تربیت کا اصول یہ ہے کہ لوگ جس مضرت کو خفیف سمجھیں مربی وحکیم اس سے زیادہ ڈرایا کرتا ہے۔ اب نفس کا یہ عذر غلط ہو گیا کہ اسکے مخاطب تو کفار ہیں۔ کیونکہ معلوم ہو گیا کہ تقدیم دنیا علی الآخرت کے مختلف درجے ہیں کفار میں بڑا درجہ ہے انکو اس سے منع کیا گیا اور تمہارے اندر چھوٹا درجہ ہے تم کو اس سے منع کیا جاتا ہے شکایت کی علت اور منشا میں غور کرنا چاہئے جب وہ موجود ہے تو شکایت بھی ضرور ہوگی پھر جس درجہ کو آپ کم سمجھتے ہیں وہ مضرت اعظم کے سامنے صغیرہ ہے مگر فی نفسہ صغیرہ نہیں ؎

آسمان نسبت بعرش آمد فرود
لیک بس عالیست پیش خاک تود

یعنی آسمان عرش کے سامنے چھوٹا ہے لیکن فی نفسہ چھوٹا نہیں زمین سے تو ہزاروں درجے بڑا ہے اسی طرح گو ہمارے اندر جو درجہ غفلت کا ہے وہ اس غفلت سے کم ہے جو کفار میں ہے مگر فی نفسہ یہ خود بھی عظیم ہے جس نے ہمارے دین کو ناقص اور مردہ بنا رکھا ہے لہذا اسکے مخاطب ظاہر میں گو کفار ہی ہیں مگر اشتراک علت کی وجہ سے جہاں جہاں یہ علت موجود ہوگی سب ہی مخاطب ہونگے۔ اور اگر مسلمانوں کو اسکا مخاطب بالکل نہ مانا جائے تب تو یہ بات اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ مسلمانوں سے اس امر کا صدور نہیں ہو سکتا انکا اسلام ہی اس سے روکنے کیلئے کافی ہے مستقل خطاب کی ضرورت نہیں اور صدور نہ ہو سکنے کا

یہ مطلب نہیں کہ اسکا صادر ہونا مسلمان سے عقلاً ممتنع ہے بلکہ ممتنع عادی مراد ہے کہ مسلمان سے اسکا صدور عادۃً ممتنع ہے اور شرائع میں اس نکتہ کا بہت لحاظ کیا گیا ہے کہ جو امور مخاطب سے عادۃً ممتنع الصدور ہوں اُن سے صراحۃً منع نہیں کیا جاتا کہ اس سے تو یہ خود ہی بچیں گے مثلاً زنا اور چوری سے منع کیا گیا شراب پینے پر وعیدیں بیان کی گئیں لیکن شرب بول (پیشاب پینے) و اکل غائط (پیخانہ کھانے) سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا کیونکہ عادۃً مسلمان بلکہ صحیح الحواس سے یہ فعل ممتنع ہے اس سے بچنے کیلئے اُسکا اسلام و صحت حواس خود زاجر ہے خطاب مستقل کی کیا ضرورت ہو۔ اور اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ میں نہی کے معنی یہی زاجر ہونا ہے بعض لوگوں کو اسپر اشکال ہو جاتا ہے کہ نماز فحشاء و منکر سے کیونکر روکتی ہے ہم تو نمازیوں کو فحش کام کرتے ہوئے مشاہدہ کرتے ہیں ان صاحبوں کے نزدیک نماز کے منع کرنیکا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ نماز حساً فحش کام سے روکتی ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نماز کی ہیئت ایسی ہے کہ اپنے اقتضاء سے فحشاء و منکر سے زاجر ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ قانون ڈکیتی سے منع کرتا ہے اسکا یہ مطلب کون سمجھتا ہے کہ قانون ڈکیتی کا صدور نہیں ہونے دیتا بلکہ اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قانون میں اسکی ممانعت ہے اور سخت سزا بتلائی گئی ہے اب اگر کوئی قانون پر عمل نہ کرے تو اس سے یہ کلام غلط نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مسلمانوں کو اس آیت کا مخاطب نہ بنانے سے اس بات کو ماننا پڑیگا کہ مسلمان سے اسکا صدور ہی نہیں ہو سکتا اسلئے نہی مستقل کی حاجت نہیں تو اس طریق سے تو اس فعل کی قبح میں اور زیادہ شدت ہو گئی کیونکہ اب مطلب یہ ہوا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا کافروں ہی کا کام ہے مسلمان کو اُسکا اسلام ہی اس سے روکتا ہے اسلئے اسکو مخاطب نہیں بنایا گیا تو اس سے صاف یہ لازم آیا کہ جو مسلمان ایسا کرتا ہے وہ کافروں کا کام کرتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس نے نماز کو عمداً ترک کیا وہ کافر ہو گیا یعنی اس نے کافروں کا کام کیا کیونکہ عادۃً مسلمان سے نماز کا ترک صادر نہیں ہو سکتا چنانچہ اس زمانہ میں واقعہ یہی تھا حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں كَانَ فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُنَافِقِيْنَ تَرْكُ الصَّلٰوةِ کہ ہمارے اور منافقوں کے درمیان میں نماز کا ترک کرنا ہی مابہ الامتیاز تھا تو فقد کفر ایسا ہے

جیسے ہم اپنے بیٹے کو کہیں کہ تو پورا چمار ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو چماروں کے کام کرتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تو واقع میں چمار ہے اسی طرح حدیث کا مطلب سمجھ لیا جاوے۔ غرض مسلمانوں کو اگر اس آیت کا مخاطب نہ مانا جائے تو عتاب اور زیادہ شدید ہوگا اب یہ بہانہ نہیں ہوسکتا کہ ہم اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں یہ تو کفار کے حق میں ہے صاحبو پھر تو اور زیادہ افسوس ہے کہ جو شکایت حق تعالیٰ کو کفار سے تھی آپ اسی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اب سمجھئے کہ وہ حالت ہماری کیا ہے جسکی حق تعالیٰ شکایت فرمارہے ہیں وہ حالت یہ ہے کہ ہم دنیا کو آخرت پر مقدم کر رہے ہیں اور یہ مرض ایسا ہے کہ ہم اسکو مرض ہی نہیں سمجھتے اسمیں عام ابتلا ہو رہا ہے گناہوں کی فہرست میں چوری، زنا، شراب خواری کو سب گنیں گے سود لینے اور رشوت لینے کو بھی گناہ سمجھیں گے لیکن کہیں یہ بھی کسی ذہن میں آتا ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا بھی گناہ ہے اس طرف کسی کو بھی التفات نہیں اسکو گناہ تو کیا سمجھتے بلکہ بعض اوقات یوں کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو دنیا دار آدمی ہیں ہم سے دنیا کو نہیں چھوڑا جاتا یہ کام تو انہیں لوگوں کا ہے جو بیوی بچے نہ رکھتے ہوں دنیا سے بالکل بے غرض ہوں پس ترجیح دنیا علی الآخرۃ کے بعض افراد کو تو یہ لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے اور جسدرجہ کو معصیت بھی سمجھتے ہیں اسمیں اپنے کو عاصی نہیں سمجھتے کیونکہ جب انھوں نے اپنے کو معذور سمجھ لیا تو معصیت کہاں رہی۔ ان لوگوں نے کسی سے سن لیا تھا کہ معذوری اور مجبوری کی حالت میں گناہ گناہ نہیں رہتا جیسے کسی نے ایک شخص کو دھمکی دی کہ شراب پیو ورنہ مار ڈالونگا اور وہ دھمکی دینے والا ایسا کر بھی سکتا ہے تو اس صورت میں شریعت اس شخص کو حفاظت نفس کیلئے اجازت دیتی ہے کہ شراب پی لے اس حالت میں شراب پینے سے تجکو گناہ نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ سنکر لوگ ہر جگہ اسکو جاری کرنے لگے اور بات بات میں اپنے کو معذور سمجھکر گناہوں پر دلیر ہو گئے میں کہتا ہوں کہ اس قانون شرعی کی یہ تفسیر آپنے خود ہی تو کی ہے مگر آپکو اسکا کیا استحقاق ہے آپ کو شریعت ہی سے اکراہ کے حدود بھی پوچھنا چاہئے اکراہ کے باب میں فقہاء نے اسکے حدود بیان فرمائے ہیں جس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شریعت میں اکراہ کا وہ کونسا درجہ ہے جس سے انسان معذور ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ جو تفسیر اکراہ کی آپنے خود کی ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک دیہاتی سرحدی نے قانون ریلوے کی تفسیر

کی تھی کہ وہ ریل سے ایک من بھر کا کشمش کا بورا لیکر بغل میں دبائے نکلا جب پلیٹ فارم کے دروازہ پر پہونچا تو ٹکٹ بابو نے اسکو ٹوکا کہ ٹکٹ لاؤ اُس نے ٹکٹ دکھا دیا بابو نے کہا کہ اس سامان کی بلٹی بھی دکھاؤ اُس نے پھر وہی ٹکٹ دکھا دیا بابو نے کہا کہ یہ تو تمہارا ٹکٹ ہے سامان کا ٹکٹ دکھاؤ سرحدی نے کہا کہ یہی ہمارا ٹکٹ ہے اور یہی سامان کا ٹکٹ ہے بابو نے کہا نہیں یہ سامان پندرہ سیر سے زیادہ ہے اسکے لئے جدا ٹکٹ کی ضرورت ہے تو سرحدی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ نہیں ریلوے نے پندرہ سیر کا قانون اسلئے مقرر کیا ہے کہ ہندوستانی آدمی اس سے زیادہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور حقیقت میں اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ جتنا اسباب مسافر خود اٹھا سکے وہ معاف ہے اور جو اس سے زیادہ ہو جسکے لئے مزدور کی ضرورت ہو اُسپر محصول لگایا جائیگا چونکہ ہندوستانی آدمی پندرہ سیر سے زیادہ خود نہیں اُٹھا سکتا اسلئے پندرہ سیر کی تعیین کر دیگئی اور ہم لوگ من بھر سے زیادہ خود اُٹھا سکتے ہیں اسلئے ہمارا یہی پندرہ سیر ہے اسپر محصول نہیں ہو سکتا تو کیا ریلوے کمپنی اس سرحدی کی اس تفسیر کو قبول کر سکتی ہے ہرگز نہیں وہ اسکے جواب میں یہ کہیگی کہ تمکو قانون کی تفسیر کرنیکا کوئی حق نہیں قانون کا مطلب تمکو ہمسے پوچھنا چاہیئے اسی طرح قانون شرعی کی تفسیر کرنیکا آپ کو کوئی حق نہیں اور نہ آپ اس تفسیر کی بنا پر معذور ہو سکتے ہیں۔ غرض لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم دنیا کو آخرت پر مقدم کرنے میں مجبور ہیں اسلئے اسکو معصیت ہی نہیں سمجھتے اور اگر معصیت سمجھتے بھی ہیں تو نہایت ہی کم درجہ کی اور گناہ کبیرہ کو صغیرہ سمجھنا یہ خود معصیت ہے جیسے کوئی شخص ڈکیتی تو ودیعت میں خیانت کرنے پر قیاس کرنے لگے اور یہ سمجھے کہ خیانت مذکورہ میں بھی دوسرے شخص کے مال کو ضائع کرنا ہے اور ڈکیتی میں بھی اسلئے یہ دونوں ایک درجے کے جرم ہیں تو حاکم وقت اس شخص پر دخل اندازی قانون کا جرم قائم کر دیگا اور یہ کہیگا کہ جب قانون میں ڈکیتی اور خیانت کی سزائیں مختلف ہیں کہ ڈکیتی میں عبور دریائے شور یا چودہ برس کی قید سخت ہے اور خیانت میں یہ نہیں تو تمکو دونوں کے برابر کر دینے کا کیا استحقاق ہے تم قانون میں دخل بیجا کرتے ہو۔ اسی طرح شریعت میں جب ہر گناہ کی سزا الگ ہے تو سبکو برابر سمجھنے کا کسی کو حق نہیں اور اگر کوئی کبیرہ کو صغیرہ سمجھے گا اُسپر دوسرا جرم تحریف شریعت کا قائم ہوگا اسلئے فقہا نے تصریح

کی ہے کہ معصیت کو خفیف سمجھنا معصیت بلکہ یہ قریب کفر کے ہے حق تعالیٰ اسی کی شکایت فرماتے ہیں کہ تم ترجیح دنیا علی الآخرۃ کے مرض میں مبتلا ہو فرماتے ہیں بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا (ای علی الآخرۃ ۱۲) والآخرۃ خیر و ابقیٰ - بلکہ تم دنیوی زندگی کو آخرۃ پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بہتر ہے اور زیادہ پائدار ہے یعنی تم اسکی کوشش کرتے ہو کہ دنیا میں عیش و عشرت اچھی طرح ہو آخرت چاہے کیسی ہی برباد ہو جائے اسمیں آخرت کے متعلق ایک لفظ تو خیر کا فرمایا ہے جو کہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے مطلب یہ ہوا کہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور بہت بہتر ہے - دوسرا لفظ ابقیٰ فرمایا کہ وہ بھی اسم تفضیل ہے کہ آخرت بہ نسبت دنیا کے پائدار بھی زیادہ ہے مگر پھر بھی تم دنیا کو اسپر ترجیح دیتے ہو اور آخرت سے بیفکر ہو حالانکہ ایک امر یہ بھی مشاہد ہے کہ آخرت سے بیفکری کے ساتھ دنیا اور گندی ہو جاتی ہے چنانچہ میں آگے بتلاؤنگا کہ آخرت فی نفسہ بھی قابل اہتمام تو ہے ہی مگر اسلئے بھی قابل اہتمام ہے کہ دنیا کی بھی حلاوت اسی وقت نصیب ہوتی ہے جبکہ آخرت کی فکر ہو اور جو لوگ آخرت سے بیفکر ہیں بخدا انکو دنیا کا بھی لطف حاصل نہیں ہوتا (یہ مضمون بالکل اخیر میں بہت ہی مختصر مذکور ہوا غالباً ارادہ مفصل بیان کرنیکا تھا مگر یاد نہیں رہا - جامع) اب سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی اس شکایت کے ہم مصداق ہیں یا نہیں تو کفار کا مصداق شکایت ہونا تو ظاہر ہے مگر افسوس یہ ہے کہ مسلمان بھی آجکل اس شکایت کا مصداق بنرہے ہیں ہر شخص اس مرض میں مبتلا ہے کہ اسکو بہ نسبت آخرت کی دنیا کا اہتمام زیادہ ہے یہ تو میں نہیں کہتا کہ مسلمانوں کو آخرت کا اعتقاد نہیں یا وہ اعتقاداً آخرت کو دنیا سے کم سمجھتے ہیں مسلمان کوئی ایسا نہیں جسکو آخرت کا اعتقاد نہ ہو یا وہ آخرت کو دنیا سے کم سمجھتا ہو ہاں کفار کا یہ اعتقاد ہو سکتا ہے کیونکہ بعض کفار تو سرے سے آخرت ہی کے منکر ہیں انکا خیال یہ ہے کہ مرنیکے بعد آدمی مٹی میں ملجاتا ہے نہ اسکو کسی جگہ عذاب ہوگا نہ ثواب اور بعض کفار کو آخرت کا اعتقاد اگر ہے بھی تو وہ ایسا اعتقاد ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھا تھا اسکے ایک دم بھی اور ایک سونڈ بھی اس تفسیر سے ہر شخص سمجھ لیگا کہ اس نے بادشاہ کو ہر گز نہیں دیکھا نہ معلوم کس الابلا کو دیکھ لیا ہے

اسی طرح جو کفار آخرت کے معتقد ہیں وہ اسکے متعلق ایسے خرافات بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے معتقد نہیں کسی دوسری چیز کے معتقد ہیں اسلئے انکا اعتقاد عدم اعتقاد کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ انکی ساری کوشش دنیا ہی میں صرف ہوجاتی ہے آخرت کا انکو ذرا فکر نہیں تو مسلمانوں کی یہ حالت تو نہیں ہے وہ آخرت کے معتقد بھی ہیں اور آخرت کا علم بھی انکو صحیح طور پر حاصل ہے اور اسکو دنیا سے افضل بھی سمجھتے ہیں مگر میں یہ ضرور کہونگا کہ انکا عمل اس اعتقاد کے موافق نہیں وہ صرف اعتقاد آخرت ہی کو مقصود سمجھے ہوئے ہیں اس سے عمل میں کام نہیں لیتے ہر چند کہ اعتقاد کی خود بھی ضرورت ہے اور وہ فی نفسہ بھی مقصود ہے مگر اعتقاد کی ایک غایت عمل بھی ہے یعنی شریعت نے جو اعتقادیات کی تعلیم دی ہے اس سے دو مقصود ہیں ایک یہ کہ فی نفسہ ان امور کا اعتقاد رکھا جائے دوسرے یہ کہ ان سے عمل میں کام لیا جائے کیونکہ یہ بات تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اعتقاد کو عمل میں بہت دخل ہے ایک عارف فرماتے ہیں ؎

موحد چہ برپای ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس | ہمین است بنیاد توحید و بس

دیکھئے اسمیں توحید کو اعمال میں موثر بتلایا گیا ہے کہ جب توحید کامل ہوجاتی ہے تو اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ خدا کے سوا کسی سے رجا و خوف نہیں رہتا۔ ایک آیت میں بھی اس مضمون کی طرف اشارہ ہے اور حدیث کے ملجانے سے تو تصریح ہوگئی آیت یہ ہے فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا۔ یعنی جس شخص کو خدا تعالیٰ سے ملنے (اور ان کے پاس جانے) کا اعتقاد ہو اسکو نیک عمل کرنے چاہئیں اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے حدیث میں اس جملہ لا یشرک کی تفسیر میں لا یرائی وارد ہوا ہے یعنی عبادت میں شرک نہ کرنیکا مطلب یہ ہے کہ اسمیں ریا نہ کرے اور یہ تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا حق تعالیٰ کی تفسیر ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اب اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اعتقاد لقاء رب کو عمل صالح میں بہت دخل ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فمن کان یرجو لقاء ربہ پر فلیعمل عملا صالحا کو مرتب

فرمایا ہے اور شرط و جزا میں علاقہ سببیت کا ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتقاد لقاء رب کو زوال ریا میں بھی دخل ہے کیونکہ ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا کو بھی من کان یرجو لقاء ربہ پر مرتب کیا گیا ہے پس اعتقاد کو نفس عمل میں بھی دخل ہوا اور کمال عمل میں بھی۔ اور آیت میں ریا کو جو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ حقیقت ریا کی یہ ہے کہ عبادت کو کسی کے دکھلانیکے واسطے کیا جاوے اور ظاہر ہے کہ جسکو دکھلانا مقصود ہوتا ہے وہ بھی فی الجملہ عبادت میں مقصود ہے تو اس شخص نے عبادت میں خدا کیسا دوسرے کو بھی مقصود سمجھا اور یہ شرک فی القصد ہے اسلئے ریا کو حق تعالیٰ نے شرک فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ توحید صرف لا معبود الا اللہ کا نام نہیں یعنی توحید صرف اسکا نام نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھے بلکہ لا مقصود الا اللہ بھی کمال توحید ہے یعنی خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو مقصود بھی نہ سمجھے اور جب خدا کے سوا کسی کو مقصود نہ سمجھے گا تو اب اسکو کسی پر نظر نہ رہیگی نہ کسی سے خوف و طمع ہوگی اسی کو ان عارف نے فرمایا ہے ؎

موحد چہ برپائی ریزی زرش | چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس | ہمین ست بنیاد توحید و بس

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو شخص ریاکار ہوگا اسی کو مخلوق سے امید و ہراس بھی ہوگا۔ اور جو ریا سے پاک ہوگا اسکو کسی سے امید و ہراس بھی نہ ہوگا کیونکہ اُسے غیر حق پر نظر ہی نہ ہوگی غرض اس آیت و حدیث کے ملنے سے یہ معلوم ہوا کہ اعتقاد کو عمل اور درستی عمل میں بڑا دخل ہے مجکو پہلے یہ مسئلہ ایک آیت سے معلوم ہوا تھا پھر تو ہر جگہ یہی سمجھ میں آنے لگا وہ آیت یہ ہے لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم اس سے پہلے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر۝ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم یعنی کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں پہلے سے لکھی ہوئی ہیں۔ اسمیں حق تعالیٰ نے تقدیر کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جو کچھ تمکو پیش آتا ہے سب پہلے سے مقدر ہو چکا ہے آگے ارشاد ہے ان ذلک علی اللہ یسیر۔ بیشک یہ خدا تعالیٰ کو

آسان ہے (کیونکہ اُسکو علم غیب حاصل ہے تو پہلے سے آیندہ ہونے والے واقعات کا لکھدینا
اُسے کچھ مشکل نہیں) آگے فرماتے ہیں لکیلا تا سوا علیٰ ما فاتکم اسمیں لام کے ہی جسکے لئے
متعلق کی ضرورت ہی جو یہاں مذکور نہیں بلکہ مقدر ہے یعنی واخبرنا کم بذلک لکیلا تاسوا
علیٰ ما فاتکم اور ہمنے تمکو یہ بات بتلا اسواسطے دی تاکہ جو چیز تمسے جاتی رہے (عافیت
یا اولاد و مال و جاہ) تم اُسپر رنج نکرو اور جو چیز تمکو خدا نے دی ہو اُسپر اتراؤ نہیں کیونکہ مصیبت
کے وقت جب اس مضمون کا استحضار ہوگا کہ یہ پہلے ہی سے مقدر تھی تقدیر میں اسی طرح
تھا اس سے رنج میں کمی ہوجاویگی اور نعمت کے متعلق جب یہ سمجھ لیا جاویگا کہ خدا تعالیٰ
نے اپنی رحمت و فضل سے پہلے ہی اسکو میرے واسطے مقدر کردیا تھا اس سے ناز و عجب پیدا
نہ ہوگا کیونکہ اتراوے تو وہ جسکا استحقاق ذاتی ہو یا اپنے آپ اُس نے نعمت کو حاصل کیا
ہو اور جب دوسرے کے حکم و مشیت سے ایک چیز ملی ہے اُسپر اترانیکا کیا استحقاق ہے تو
اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسئلہ تقدیر کے بیان کرنیکی حکمت یہ تبلائی ہے تاکہ اس اعتقاد
کی بدولت مصیبت میں صبر کی توفیق ہو اور راحت میں عجب و دلال نہ پیدا ہو اس سے
صاف معلوم ہوا کہ امور اعتقادیہ کو وجود اعمال و اصلاح اعمال میں بڑا دخل ہے اور شریعت
کا مقصود یہ ہے کہ اعتقادیات سے عمل میں بھی کام لینا چاہیئے چنانچہ اسی مقصود کو سمجھکر
محدثین نے یہ کہا ہے کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں اور اعمال کے کم و بیش ہونے سے ایمان میں بھی
زیادت و نقص ہوتا ہے (اور معتزلہ و خوارج نے تو یہانتک ترقی کی کہ ایمان بدون عمل کے
کوئی چیز نہیں) مگر محققین کے نزدیک گو اعمال ایمان کا جزو نہیں ہیں مگر مکمل ایمان ضرور ہیں
پس ہرچند کہ ایمان عقائد ہی کا نام ہے مگر ایمان کے کمال و ضعف کا مدار اعمال پر ہے اور اسمیں
کچھ شک نہیں کہ مقاصد میں ہمیشہ درجہ کمال مطلوب ہوا کرتا ہے درجہ ضعیف پر کوئی اکتفا نہیں
کیا کرتا چنانچہ مقاصد دنیویہ میں ہر شخص درجہ کمال ہی کا طالب ہے اس سے معلوم ہوا کہ محض
عقائد کی تصحیح کافی نہیں بلکہ تصحیح اعمال بھی ضروری ہے ورنہ بدون تصحیح عمل کے عقیدہ بھی کامل
نہ ہوگا دنیا کے کاموں میں اسکا مشاہدہ کرلیا جائے دیکھیئے اگر آپ کسی شخص سے یہ کہیں کہ زید
تیرا باپ ہے اسکا مطلب کیا ہوتا ہے اسکا مطلب محض یہ نہیں ہوتا کہ دل میں اُسکے باپ

ہونیکا اعتقاد کرلیا جائے بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ تمکو اُسکے ساتھ ادب وتعظیم کا برتاؤ کرنا چاہیئے چنانچہ اگر مخاطب اپنے باپکے ساتھ ادب وتعظیم کا برتاؤ نہ کرے تو آپ اُسکو ملامت کرینگے کہ کمبخت میں نے تجکو بتلادیا تھا کہ زید تیرا باپ ہے پھر بھی تو نے اُسکی تعظیم کا حق ادا نہ کیا معلوم ہوا کہ امور اعتقادیہ سے محض اعتقاد مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اسکے مقتضا پر عمل کرنا بھی مطلوب ہوتا ہے اور اگر عمل اُسکے موافق نہ ہو تو اُس اعتقاد کو کالعدم سمجھا جاتا ہے ان مقدمات کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اگرچہ آخرت کا اعتقاد ہے اور اُسکو دنیا سے افضل بھی سمجھتے ہیں مگر انکا عمل اس اعتقاد کے موافق نہیں ہے پس بقاعدہ مذکورہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اُنکو آخرت کا اعتقاد کامل طور پر نہیں کیونکہ جس اعتقاد کے موافق عمل نہو وہ اعتقاد ناقص ہے۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مضمون کسقدر ضروری ہے اور ہمارا اعتقاد وعمل موافق نہ ہونا ہماری حالت سے ظاہر ہے چنانچہ ہماری حالت یہ ہے کہ اعمال میں جسوقت دنیا و آخرت کا تعارض ہوتا ہے۔ وہاں دنیا ہی کو آخرت پر ترجیح دیجاتی ہے مثلاً نماز کے وقت آپکی دکان پر کوئی خریدار آگیا تو اُسوقت عموماً نماز میں تاخیر کردیجاتی ہے اور دنیا کے نفع کو مقدم کیا جاتا ہے یہ دنیا کی ترجیح ہے آخرت پر اسی طرح کوئی حسین عورت نظر پڑی اُسوقت ایسے لوگ بہت کم ہیں جو آخرت کے خیال سے نگاہ نیچی کرلیں اکثر لذت نفس کیلئے اُسکو گھور گھور کر دیکھتے ہیں یہ بھی اُسی گناہ کی فرد ہے کہ آخرت سے دنیا کو مقدم کیا گیا پھر کوئی تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہم مجبور ہیں ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ آخرت کو دنیا پر مقدم کریں یہ کام بزرگوں کا ہے تو یہ لوگ تو گناہ کرکے اپنے کو گنہگار بھی نہیں سمجھتے اور بعض لوگ گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں مگر دلکو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ بعد میں توبہ کرلیں گے اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں مگر یاد رکھو یہ سراسر دھوکہ ہے نفس کا ہمنے مانا کہ توبہ گناہ کیلئے تریاق ہے مگر تریاق کے بھروسہ زہر کھا لینا کتنی بڑی حماقت ہے ہمنے کسی کو نہیں دیکھا جو سنکھیا دو تولہ اس بھروسہ پر کھاتا ہو کہ میرے پاس تریاق ہے بعد میں اُسے کھا لونگا اور اگر کوئی ایسا کرتا بھی ہو تو اُسکو سب لوگ بیوقوف بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہر کا ضرر تو فی الحال تھا اور تریاق کا نافع ہونا فی المآل تھا اور وہ بھی موہوم کیونکہ ممکن ہے کہ زہر کا اتنا قوی اثر ہو جاوے جو تریاق سے بھی زائل نہو یا زہر کا اتنا فوری اثر ہو جاوے کہ تمکو تریاق کھانیکی نوبت ہی نہ آوے اسی طرح توبہ کے بھروسہ

گناہ کرنا بھی سراسر حماقت ہے کیونکہ معصیت کا ضرر فی الحال ہو اور توبہ کا نفع فی المآل ہے اور وہ بھی موہوم کیا خبر اس گناہ کے بعد حیات بھی ہے یا نہیں چنانچہ بعض لوگوں کے واقعات سنے گئے ہیں کہ وہ عین حالت زنا میں مر گئے گناہ سے فارغ ہونیکی بھی مہلت نہیں ملی۔ دوسرے ایک مرتبہ توبہ کے بھروسہ گناہ کر کے پھر اُس گناہ کا چسکا پڑ جاتا ہے پھر توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ توبہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہو کہ آیندہ کیلئے پختہ عزم کیا جائے کہ پھر یہ گناہ کبھی نہ کرینگے محض لفظی توبہ قابل اعتبار نہیں کہ اے اللہ میری توبہ۔ گناہ کے بعد جب اُسکا چسکا لگ جاتا ہے تو توبہ کے وقت نفس یہ کہتا ہو کہ اس توبہ سے کیا نفع کیونکہ یہ کام تو پھر بھی کرنا ہے تو اب توبہ بھی گئی اسوقت نفس یہ وعدہ کرتا ہے کہ اس کام سے جی بھر جاوے تو پھر سب گناہوں سے اکٹھی توبہ کرلیں گے مگر یہ وعدہ بھی پورا نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے کہ گناہ سے دل پر زنگ لگجاتا ہے جو بار بار گناہ کرنے سے بڑھتا رہتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر گنہ زنگے ست بر مرآۃ دل — دل شود زیں زنگہا خوار و خجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی — نفس دوں را بیش گردد خیرگی

تو اس زنگ کی ظلمت اتنی غالب ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر کوئی اس سے توبہ کیلئے کہے بھی تو وہ یہ کہدیتا ہے کہ میاں اتنے گناہوں کے سامنے بیچاری توبہ کیا کریگی اب اسکو رحمت خداوندی سے مایوسی ہوجاتی ہے چنانچہ بعض محتضرین کو لوگوں نے کہا کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلو تو اُس نے یہی جواب دیا کہ میاں اتنے گناہوں کو ایک توبہ کیونکر ہٹا سکتی ہے پھر ظالم اسی حالت میں بدون توبہ کئے مر گیا تو آپ نے دیکھا کہ یہ کتنا بڑا نفس کا دھوکہ ہے کہ توبہ کے بھروسہ گناہ کی رغبت دلاتا ہے صاحبو خدا سے ڈرو اور نفس کے اس دھوکہ میں نہ آؤ حدیث میں ہے کہ اے عائشہ گناہ کو حقیر نہ سمجھو حقیقت میں جو لوگ توبہ کے بھروسہ گناہ پر بیشیں قدمی کرتے ہیں وہ گناہوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ غرض ہر شخص کے پاس معصیت کو اختیار کرنے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا ایک سبب اور داعی موجود ہے کوئی اس سے بچا ہوا نہیں الا ماشاء اللہ ہر شخص کچھ نہ کچھ سبب نکال لیتا ہے کوئی اپنے کو معذور سمجھ لیتا ہے کوئی توبہ کا سہارا ڈھونڈ لیتا ہے اور یوں تو دنیا کے بہت شعبے ہیں مگر دو شعبے سب سے بڑے ہیں مال

ف یعنی جو حالت نزع میں مبتلا تھے ۱۲ ۱۲ ۱۲

اور جاہ مال اور جاہ کے حاصل کرنیکے لئے اکثر لوگ معصیت سے نہیں بچتے آخرت کو برباد کر لیتے ہیں اور اگر یہ حضرت مولوی ہیں تو وہ معصیت کو طاعت اور دنیا کو دین بنانیکی کوشش کرینگے مگر یاد رکھو خدا کے سامنے یہ تاویلیں نہ چل سکیں گی بہرحال لوگ طرح طرح سے اموال کیلئے دین کو برباد کر رہے ہیں کوئی رشوت لیتا ہے کوئی زبردستی اور جبر سے لوگوں کا مال وصول کرتا ہے گو اسکا موقعہ ہر ایک کو نہیں ملتا رشوت ستانی و ظلم کے اسباب ہر شخص کے پاس کہاں ہیں البتہ ایک صورت تو بہت ہی کثیر الوقوع ہے جسمیں بہت لوگ مبتلا ہیں وہ یہ کہ کسی کا روپیہ قرض لیکر ادا کرنے سے غافل ہیں کسی کی چیز گھر میں آگئی تو اب اسکو پہونچانا نہیں جانتے میراث میں الٹے تلٹے سے کام کرتے ہیں یہ تو انکا حال ہے جو میراث کے مال کو چھپاتے بھی نہیں اور بعض لوگ تو میراث کا مال چھپا بھی لیتے ہیں اگر کسی لڑکی کا انتقال ساس کے یہاں ہوا تو وہ اسکے برتن اور کپڑے اور زیور کو دبا لیتی ہو ماں باپ کو تھوڑا سا دکھلا دیا کہ بس اسکے پاس تو یہی تھا اور اگر ماں باپ کے یہاں انتقال ہوا تو جوان کے ہاتھ لگتا ہے وہ شوہر کو اسکی اطلاع نہیں کرتے یہ تو بالکل گوہ رگوہ ہیں گفتگو تو ان لوگوں میں ہے جو چھپاتے اور دبلتے بھی نہیں مگر خرچ کرنے میں بے احتیاطی وہ بھی کرتے ہیں بعض جگہ مردہ کے اوپر قیمتی دوشالہ ڈالا جاتا ہے پھر وہ غریبوں کو دیدیا جاتا ہے اور تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ورثہ کا مشترک تھا جسمیں نابالغ بھی ہوتے ہیں اور جو سب بالغ بھی ہوں تو وہ دل سے راضی نہیں ہوتے پھر غمی کی رسوم میں سارا خرچ مردہ کے ترکہ میں سے ہوتا ہی خرچ ہوتا ہے سب ورثہ کے حصہ میں سے اور نام ہوتا ہے بڑے وارث کا افتخار اور ناموری کیلئے تو اپنے مال کا خرچ کرنا بھی حرام ہے اور دوسروں کے مال سے نام کرنا تو اور زیادہ اشد ہے پھر اسمیں نابالغوں کا بھی حق ہوتا ہے اور بالغین بھی سب راضی نہیں ہوتے اگر رضامندی ہوتی تو شکایت کیوں ہوتی حالانکہ بعد میں تقسیم کے موقعہ پر شکایتیں پیدا ہوتی ہیں کہ یہ خرچ تو تمنے خود کیا ہمنے کب کہا تھا یہ ہمارے حصہ میں کیوں لگایا جاتا ہی اور اگر کسی نے بوجہ شرم کے کچھ نہ کہا تو اس سے رضامندی نہیں ہوجاتی اگر تمکو ایسا ہی روپیہ اڑانا ہے تو سب کا حق نکالکر انکی حوالہ کر دو پھر اپنے حصہ میں سے جو چاہو کرو یا ان سے قرض لیلو اور بعد میں سب کا قرض ادا کر دو

مگر وہ قرض کاغذی ہی نہو بلکہ واقعی قرض ہونا چاہیئے ورنہ آخرت میں ماخوذ ہوگے حدیث
میں ہے کہ مقروض جنت سے محبوس رہتا ہے جب تک کہ اُسکا قرض ادا نہ ہو یہ وعید ایسے ہی قرض
کی بابت ہے جو محض کاغذی ہو جسکے ادا کرنے کی نیت نہو نیز بلا ضرورت ہو باقی ضرورت کا
قرض اس سے مستثنےٰ ہے ضرورت کا قرض وہ ہے جسکے بغیر ضرر ہو تکلیف ہو سو رسوم نہ کریں
تمھارا کیا ضرر ہے پھر مردہ کے کپڑے تقسیم کر نیمیں سخاوت سے کام لیتے ہیں قیمتی قیمتی کپڑے
بھی خیرات کر دیتے ہیں حالانکہ بعض ورثہ انکو خیرات کرنا نہیں چاہتے اور افسوس یہ ہے کہ
لینے والے بھی تحقیق نہیں کرتے کہ جو کپڑے ہم لے رہے ہیں اسمیں سب ورثہ راضی ہیں یا نہیں
اور اپنا عذر یہ بیان کر دیتے ہیں کہ ہمارے ذمہ چھان بچھوڑ کرنا نہیں ہے ان خدا کے بندوں کو
عقل نہیں آتی چھان بچھوڑ کی وہاں ضرورت نہیں جہاں شبہ نہو اور جہاں شبہ ہو بلکہ قوی
شبہ ہو وہاں اسکی ضرورت ہے کہ تفتیش سے کام لیا جاوے جس تفتیش کی ضرورت نہیں وہ
یہ ہے کہ ایک شخص آپ کی دعوت کرے جسکی آمدنی بظاہر حلال ہے وہاں آپ یہ پوچھیں
کہ گوشت کہاں سے آیا دام کہاں سے آئے یہ البتہ آپ کے ذمہ نہیں لیکن جہاں شبہ قوی
ہو وہاں ضرور تفتیش سے کام لینا چاہیئے پھر مشکل یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اسکی تحقیق کرے
تو اسکی دوسرے اقران اسکی کوشش کو باطل کرتے ہیں موضع ..... کا ایک واقعہ ہے کہ ایک زمیندار
ایک بی بی اور دو نابالغ لڑکیاں چھوڑ کر مر گئے بی بی نے اُن کے کپڑے یہاں بھیجے یہاں سے یہ
کہکر واپس کر دیئے گئے کہ انمیں نابالغوں کا حق ہے اتفاق سے وہاں ایک مولوی صاحب جو
واقع میں بھی اچھے تھے وارد ہوئے وہ کپڑے اُن کے سامنے پیش کیئے گئے اور یہاں کا عذر
بھی بیان کر دیا گیا انھوں نے فرمایا آخر ان لڑکیوں کی شادی میں کبھی تو ماں کا ان لڑکیوں کے
حق سے زیادہ ہی صرف ہو جاویگا اسلئے ماں ان کپڑوں میں تصرف کر سکتی ہے بس اس تاویل
سے قبول فرما لیا۔ یہ تو علماء کی حالت ہے کہ نہ خود تفتیش کریں اور نہ تفتیش کرنیوالے کی تحسین
کریں بلکہ اسکی کوشش کو مٹانا چاہتے ہیں عوام کی یہ حالت ہے کہ انھوں نے ایک قاعدہ
کلیہ نکال لیا ہے کہ جب کسی مسئلہ یا عمل میں علماء کا اختلاف ہو تو جدھر زیادہ ہوں وہ حق ہے
نہ معلوم یہ قاعدہ کہاں سے نکالا ہے حالانکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ کثرت ادلہ سے ترجیح

نہیں ہو سکتی مثلاً اگر ایک مقدمہ میں دو گواہ ایک طرف ہوں اور سو گواہ ایک طرف ہوں تو حاکم اسلام دونوں کو برابر سمجھے گا یہ کوئی وجہ ترجیح نہیں کہ ایک طرف دو اور ایک طرف سو۔ البتہ شریعت میں اجماع حجت ہی مگر اجماع اسکا نام نہیں کہ ایک طرف زیادہ جماعت ہو تو بس وہ اجماع ہو گیا فقہار نے صاف لکھا ہی کہ ایک معتبر عالم کی مخالفت بھی قادح اجماع ہے۔ غرض علمار کے ان معاملات سے عوام کو جرأت ہوتی ہے اور وہ بھی احتیاط نہیں کرتے اور صاف کہتے ہیں کہ اگر یہ احتیاط ضروری ہوتی تو مولوی لوگ کپڑے پہنتے ہوئے تفتیش کیوں نہ کرتے۔ اسی طرح کسی سے کوئی چیز مانگ کر لاویں گے تو جب تک وہ خود ہی نہ مانگے اسوقت تک دینا نہیں جانتے۔

کسی نے آپ کے یہاں کھانا بھیجا اور آپ کی خاطر سے چینی یا تانبے کے برتن میں بھیجا تو اب برتن کو واپس کرنا جانتے ہی نہیں بلکہ گھر میں ڈال لیتے ہیں اور مہینوں اسمیں کھانا کھاتے ہیں۔ حالانکہ فقہار نے لکھا ہے کہ جس برتن میں کھانا بھیجا جاوے اس کھانے کو دوسرے برتن میں نکالکر کھانا چاہیے اسی برتن میں کھانا ناجائز ہے ہاں اگر وہ ایسا کھانا ہو جسکو دوسرے برتن میں الٹنے سے اسکی لذت جاتی رہے یا صورت بگڑ جائے تو اسکو اسی برتن میں کھانا جائز ہے جیسے فیرینی کو تشتری میں جما کر بھیجا تو اسکو دوسرے برتن میں الٹنے سے صورت خراب ہو جاتی ہے فیرینی کا لطف یہی ہے کہ جس برتن میں اسکو جمایا گیا ہے اسی میں کھایا جاوے لوٹ پوٹ کرنے سے بدنما ہو کر اسکی طرف رغبت کم ہو جاتی ہے ہاں کوئی بہت ہی بھوکا ہو اسکو تو ہر حالت میں رغبت ہو سکتی ہے جیسے ایک لطیفہ ہے کہ کسی عورت نے فیرینی پکا کر کسی طباق میں جمائی خود کسی کام کو چلی گئی چھوٹے بچہ کو نگرانی کیلئے بٹھلا گئی ایک کتا آیا اور ایک طرف منہ ڈالکر کھانے لگا بچہ غافل تھا پھر اسکو ہٹایا ماں آئی تو سب واقعہ سنایا اس نے ایک دوسرے برتن میں فیرینی کو لوٹ کر بچہ سے کہا جا مسجد کے ملاجی کو دے آ اس نے جا کر حوالہ کی ملاجی کو بھلا فیرینی کب نصیب ہوئی تھی دیتے ہی فوراً دوہر سے جدھر سے کھائی ہوئی تھی لگے ہاتھ مارنے لڑکے نے کہا ملاجی ادھر سے نہ کھانا ادھر تو کتا منہ ڈال گیا تھا ملاجی نے جو یہ قصہ سنا برتن کو اٹھا کر دور پھینکا کہ جا کمبخت کتے کے آگے کا ہے

واسطے پھینکنے سے پیالہ پھوٹ گیا لڑکا رونے لگا کہ میری ماں مجھے مارے گی ملاجی نے کہا تجھے کیوں مارے گی کہنے لگا اس برتن میں میرے چھوٹے بھائی کا گوہ اٹھاتی تھی ملاجی کو یہ سنکر اور غصہ آیا لگے قے کرنے تو کوئی ان ملاجی کی طرح بھوکا ہو وہ تو البتہ فیرینی میں ہر طرح ہاتھ مارنے لگیگا ورنہ عموماً فیرینی کو اسی برتن میں کھایا جاتا ہے جسمیں اسکو جمایا جاتا ہے تو ایسی چیز کو بھیجنے والے کے برتن میں کھالینا جائز ہے ورنہ نہیں اور وجہ فقہاء کے اس قول کی ظاہر ہے کہ کسی کی چیز کا استعمال بدون رضامندی کے جائز نہیں اور برتن میں بھیجنا اسکی دلیل نہیں کہ اسمیں کھانیکی بھی اجازت ہے ہاں جس چیز کو دوسرے برتن میں لوٹنے سے اسکی ہیئت بگڑ جاوے یا لطف جاتا رہے اسمیں دلالۃً اسکی بھی اجازت ہے کہ میرے ہی برتن میں کھاؤ میں اس مسئلہ کا مدار اس پر رکھتا ہوں باقی صورت مسئلہ یہ غالباً اسوقت کے عرف پر ہوگی اس زمانہ میں کھانا بھیجنے والے اپنے برتن میں کھانیکی اجازت نہ دیتے ہونگے لیکن ہمارے یہاں کا عرف یہ ہے کہ جو شخص کسی کے یہاں کھانا بھیجتا ہے اسکی طرف سے یہ اجازت بھی ہوتی ہے کہ اسی کے برتن میں کھا لیا جاوے لیکن یہ اجازت نہیں ہوتی کہ وہ کھانا کھا کر پھر دوسرے وقت بھی اسے استعمال کرے اور استعمال بھی مہینہ بھر تک پھر غضب یہ کہ ایک گھر میں جب کسی کا برتن آجاتا ہے پھر وہ کسی کے یہاں کھانا بھیجنا چاہیں تو اپنے برتن میں نہیں بھیجتے بلکہ دوسرے کے برتن میں بھیجدیتے ہیں پھر وہ دوسرے کے یہاں جا کر عرصہ تک پڑا رہتا ہے پھر تماشا جب ان صاحب کے یہاں سے کوئی چیز اسی برتن میں اصل مالک کے یہاں گئی تو اسوقت آپسمیں نزاع ہوتا ہے اصل مالک کہتا ہے کہ یہ میرا برتن ہے دوسرا کہتا ہے کہ واہ یہ تو مہینوں سے ہمارے یہاں پڑا ہے اب کسی کو یاد نہیں کہ یہ برتن کس کے یہاں سے آیا اور مالک کے گھر سے کسکے پاس گیا تھا اب نزاع دور کرنیکے لئے ایمان کی قسم لیجاتی ہے قرآن کی قسم کھائی جاتی ہے بھلا یہ بھی کوئی معاشرت ہے واللہ بہت گندی معاشرت ہو رہی ہے ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے گھر والوں کو سختی کے ساتھ تاکید کرے کہ جب کسی کے یہاں سے کھانا آیا کرے فوراً اسکا برتن ساتھ کے ساتھ واپس کر دیا کریں بحمداللہ مجھے اسکا بہت ہی اہتمام رہتا ہے جب تک دوسرے کا برتن واپس نہیں ہو جاتا مجھے چین نہیں آتا۔ یہ تو عوام کی حالت تھی اہل علم کی یہ حالت ہے کہ کسی کی کتاب لیلی تو اب اسکو واپس دینے کا نام جانتے ہی نہیں

کتاب دینے والا اگر کثیر المشاغل ہوا تو اسکو یاد بھی نہیں رہتا کہ مجھسے کتاب کس نے مانگی تھی بس مہینہ بھر کے بعد وہ سمجھ لیتا ہو کہ کتاب چوری گئی اور لینے والا بیفکر ہو گیا کہ وہ تو مانگتا ہی نہیں اب گویا وہ انکی ملک ہو گئی پھر انمیں بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی چیز کو تو دوسرے کی چھاتی پر سوار ہو کر لیلیتے ہیں اور دوسروں کی چیز دینے میں لاپروا ہوتے ہیں اور بعضے دینے میں بھی لاپروا ہوتے ہیں اور اپنی چیز لینے میں بھی لاپروا ہوتے ہیں اسکو لوگ بزرگ سمجھتے ہیں کہ بڑا زاہد ہے ایسی تیسی ایسے زاہد کی یہ شخص خدا کا مجرم ہے اپنی چیز کے وصول کرنے میں لاپروا ہونا تو عیب نہیں مگر دوسروں کی چیز واپس کرنے میں لاپروا ہونا بڑا گناہ ہے۔ آجکل لوگوں نے گویا بیڈھنگے پن کا نام بزرگی اور زہد رکھ لیا ہے حالانکہ اہل اللہ بڑے منتظم ہوتے ہیں دوسروں کا حق کبھی نہیں رکھتے اسی طرح بعض لوگ قرض میں گڑبڑ کرتے ہیں کہ کسی کا روپیہ لیکر ایسے بھولتے ہیں کہ گویا دینے کا نام ہی نہیں جانتے اپنے سارے کام الٹے تلکے سے چلاتے ہیں مگر قرض کے ادا کرنیکی فکر نہیں اسی واسطے مسلمانوں میں ہمدردی نہیں رہی بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکے پاس ضرورت سے زیادہ روپیہ موجود ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کسی کو قرض دیدیں اپنے آپ حفاظت سے بچیں اور دوسرے کا کام نکل جائے مگر کسکو دیں لوگ قرض لیکر دینے کا نام ہی نہیں لیتے اسی لئے قرض بےسودی آجکل نہیں ملتا کیونکہ اسکی ادا کی فکر ہی نہیں ہوتی ہاں بنیوں کا قرض خوب یاد رہتا ہے کیونکہ وہ پہلے ہی تمسک لکھوا لیتے ہیں اور سودی قرض خوب دل کھولکر دیتے ہیں جسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ دو تین سال میں سود در سود ملا کر ایک ہزار کے چار ہزار وصول کر لیتے ہیں بس اس سے سب خوش ہیں استغفر اللہ العظیم۔ اگر لوگوں کو بےسودی قرض کا بھی ایسا اہتمام ہوتا جیسا سودی قرض کا ہوتا ہے تو آپسمیں مسلمانوں ہی سے روپیہ ملجایا کرتا اور مسلمانوں کی جائدادیں اسطرح ہندوں کے ہاتھ میں نہ پہونچتیں امانت کے بارہ میں بھی یہی گڑبڑ ہے کسی کے پاس امانت رکھواکر یہ بھی اطمینان نہیں ہوتا کہ یہ امانت کو بعینہٖ رکھیگا اکثر لوگ امانت کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کر دیتے ہیں پھر چار پانچسو کی امانت خرچ کر گئے اور اسکے ادا کی کچھ فکر نہیں اب وہ روپیہ والا غریب ان سے مانگتا ہے تو کہدیتے ہیں کہ بھائی وہ تو خرچ ہو گئے جب ہونگے دیدینگے وہ کہتا ہے کہ صاحب آپنے امانت کے روپیہ کیوں خرچ کئے جہاں سے ہو میری رقم ادا کیجئے تو کہتے ہیں کہ صاحب

مجھسے غلطی ہوگئی کہ میں نے ضرورت میں آپ کی رقم خرچ کردی اب اسوقت تو میرے پاس نہیں میں کہاں سے ہگدوں میں کہتا ہوں کہ تم تو نہ ہگو مگر اس غریب روپیہ والے کا تو یہ سنکر پاخانہ نکل گیا ہوگا اس سے بڑھکر افسوس یہ ہے کہ لوگ مسجدوں تک کا چندہ کھا جاتے ہیں ایک شخص مسجد کیلیئے چندہ کیا کرتا تھا جہاں تھوڑا بہت جمع ہوگیا اُسے بیٹھکر کھا پی لیا پھر چندہ مانگنے لگا جب کوئی اس سے پوچھتا کہ پہلا روپیہ کہاں گیا تو قسم کھا کر کہدیتا کہ مسجد میں لگا دیا اُس کے ایک پڑوسی نے کہا کہ ظالم تو جھوٹی قسم تو نہ کھایا کر مسجد میں تو کہاں لگاتا ہے تو آپ نے اُس سے کہا کہ آؤ میرے ساتھ چلو دکھلاؤں پھر مسجد میں جاکر روپیہ کو دیوار سے لگا دیا اور کہا کہ میں اسپر قسم کھایا کرتا ہوں کہ مسجد میں لگا دیا بس دیوار سے روپیہ کو لگا دیتا ہوں یہ حالت ہے آجکل چندہ کرنے والوں کی اسلامی چندوں کا نہ کوئی حساب ہے نہ کتاب ہر شخص جسطرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے یاد رکھو بعض کتب فقہیہ میں ہے کہ ایک دانگ کے بدلہ میں جو غالباً تین پیسے کا ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں لیجائیں گی۔ دنیا میں گلچھرے اڑالو آخرت میں بھگتنا پڑیگا۔ واقعی ہندوستان کے چندہ دینے والے بڑے ہمت کے ہیں کہ ہمیشہ آئے دن چندے ہوتے رہتے ہیں اور یہ لوگ سبکو دیتے ہیں خیر ان لوگوں کو تو ثواب مل ہی جاتا ہے کیونکہ انکی نیت تو اچھی ہی ہوتی ہے مگر چندہ لینے والے آخرت میں خوب سزا بھگتیں گے جو اسطرح بیدریغ مسلمانوں کا روپیہ برباد کرتے ہیں ہاں ایک صورت میں چندہ دینے والوں کو بھی ثواب نہیں ہوتا جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص جس کام کیلیئے چندہ کر رہا ہے اسمیں نہ لگاویگا اُسوقت دینے والوں کو بھی گناہ ہوگا کیونکہ اس شخص کو چندہ مانگنا حرام ہے اور لوگوں کے دینے سے اسکو جرأت بڑھتی ہے اور حرام کی اعانت بھی حرام۔ افسوس لوگ کس کس طرح مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں مگر یاد رکھو خدا کے یہاں یہ دھوکہ نہ چل سکیگا ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بدرودے

مولانا فرماتے ہیں ؎

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام
در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست
با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

کار با او راست باید داشتن　　رایت اخلاص و صدق افراشتن

مجھے خود ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک مقام پر ایک مدرسہ کا جلسہ تھا اُسمیں میرا بیان تھا وہ زمانہ چندہ بلقان کا تھا بعد جلسہ کے کسی نے مختصراً اُسکی بھی تحریک کر دی اسپر ایک تحصیلدار پنشنر نے اُس چندہ میں سو روپیہ دئے میں باہر جا رہا تھا چند آدمی ایک جگہ کھڑے باتیں کرتے نظر آئے دریافت پر یہ قصہ معلوم ہوا میں نے جزاک اللہ کہدیا بس یہ میرا جرم تھا جسپر اُنھوں نے مجکو بعد میں پریشان کیا قصہ یہ ہوا کہ اُن تحصیلدار صاحب نے جن لوگوں کو چندہ دیا تھا اُن کو مجبور کیا کہ میرے سو روپیہ کی رسید علیحدہ منگا کر دو انھوں نے اس درخواست کو لغو سمجھکر کچھ توجہ نہ کی جب وہ مایوس ہو گئے چونکہ میں نے بھی جزاک اللہ کہا تھا اس جرم میں وہ میرے سر ہوئے اور میرے پاس خط آیا کہ مجھے سو روپیہ کی رسید منگا دو میں نے بواسطہ ایک دوست کے لکھا کہ جنکو تمنے چندہ دیا ہے اُن سے رسید مانگو مجھے کیا واسطہ انھوں نے پھر مجھے خط لکھا کہ یا تو رسید منگا دو ورنہ روپیہ واپس دو ورنہ عدالت میں دعویٰ کرونگا میں نے چندہ کرنیوالوں کو لکھا کہ اس شخص کا روپیہ واپس کر دو معلوم ہوا کہ وہاں تو خرچ بھی ہو گیا یا روانہ ہو گیا میں نے دفعہ فتنہ کیلیے سو روپیے اپنے پاس سے ایک دوست کے پاس واپس بھیجدیئے کہ اُنکو دیدیں مگر وہاں کے میری دوستوں نے انکو اپنے پاس سے رقم ادا کر دی اور میری رقم واپس کرنا چاہا میں نے انکار کیا جب جانبین سے اصرار و انکار بڑھا آخر سبکے اتفاق سے وہ رقم ایک نیک کام میں لگا دی گئی تو اُسوقت ایک عالم صاحب نے مجھے رائے دی تھی کہ تمنے اپنے پاس سے کیوں دیا اس مد میں اور چندہ بھی تو آ رہا تھا۔ اُسمیں سے بھیجدیتے میں نے کہا مجھے آپ کے اس فتویٰ پر حیرت ہے یہ مجھے کہاں جائز ہے کہ میں دوسروں کا روپیہ اس شخص کو دوں کیا لوگوں نے اس واسطے چندہ دیا ہے بھلا آپ ہی سوچیں کہ اگر آپ چندہ میں روپیہ دیں اور میں اُسکو اسطرح خرچ کر دوں تو کیا آپ کو یہ گوارہ ہوگا ہرگز نہیں پھر دوسروں کی رقم میں آپ مجھے یہ رائے کس طرح دیتے ہیں اور تعجب یہ کہ وہ عالم مدرس بھی تھے اور صاحب فتویٰ بھی تھے اس طرح سے آجکل لوگوں نے دین کو اغراض و مصالح کا تابع بنا رکھا ہے۔ ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے ایک مقام میں ایک مدعی اجتہاد عالم صاحب نے ساس کو حلال کر دیا ایک شخص کو اپنی ساس سے تعلق ہو گیا تھا کمبخت نے بیوی کو چھوڑ کر اس سے

نکاح کرنا چاہا علماء سے فتوی لیا سب نے یہی کہا کہ ساس سے نکاح حرام ہے مگر ایک عالم نے ایک ہزار
روپیہ لیکر فتوی دیدیا کہ حلال ہے مگر چونکہ ساس کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے وامہات
نسائکم اسلیئے آپ نے ایک تاویل نکالی کہ آجکل عورتوں میں جہالت زیادہ ہے جسکی وجہ سے
بعض کلمات انکی زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جنکی وجہ سے ایمان زائل ہوجاتا ہے تو اسکی
منکوحہ کی زبان سے بھی ایسے کلمات نکلے ہونگے اور نکاح کے وقت تجدید ایمان نہیں ہوئی اسلیئے
منکوحہ سے اسکا نکاح درست نہیں ہوا جب نکاح درست نہیں ہوا تو منکوحہ کی ماں اسکی ساس
بھی نہیں ہوئی - رہا حرمت مصاہرت کا مسئلہ سو یہ محض امام ابو حنیفہ کا قول ہے ہم اسکو نہیں مانتے
حدیثیں اسکے خلاف ہیں - غرض اس نے تگڑم ٹھکر ساس کو حلال کردیا محض اسلیئے کہ اسکو ہزار روپیہ
ملتا تھا کمبخت حرص نے اس عالم کو تحریف دین پر آمادہ کردیا یہ حرص بری بلا ہے اسمیں انسان
جو کچھ نہ کرے تھوڑا ہے اور ایک نکتہ قابل یاد رکھنے کے ہے وہ یہ کہ یہ حرص اہل اسراف کو زیادہ
ہوتی ہے اور بخیل کو صرف اپنے مال کی حرص ہوتی ہے دوسروں کے مال میں بخیل آدمی بڑا
متقی ہوتا ہے وہ کسی کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتا اور یہ اہل اسراف تو دوسروں کے مال کو اپنا
مال سمجھتے ہیں اسلیئے میں کہا کرتا ہوں کہ آجکل اسراف کرنے سے بخیل ہونا اچھا ہے اسراف کی
وجہ سے دوسروں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور بخل کی وجہ سے محض خدا کے حقوق ضائع
ہوتے ہیں سو یہ ضرر لازمی ہے متعدی نہیں اسی طرح بعض آدمی لوگوں سے ادھار لیکر ادا
کرنا نہیں جانتے مظفر نگر میں ایک شخص نے ایک سوداگر سے دس روپیہ قرض لیئے کہ مجھے ضرورت
ہے اس بیچارہ نے دیدیئے پھر وہ حضرت روپیہ ہضم کرکے بیٹھ گئے سوداگر نے تقاضا کیا تو
پہلے پہل آپ نے ٹالا پھر سال بھر کے بعد کہنے لگا کہ جاؤ کیسا قرض لیئے پھرتے ہو کیا تمھارے
پاس میری کوئی تحریر ہے اگر ہے تو دکھاؤ ورنہ جاؤ میں نہیں دیتا اب وہ بیچارہ تحریر کہاں سے
دکھاتا اس نے تو ان کے اعتبار پر ویسے ہی روپیہ دیدیا تھا - اب اس شخص کی حرکت کا یہ نتیجہ
ہوا کہ آئندہ کیلیئے اس نے قرض دینے سے عہد کرلیا - غرض معاملات میں ایسی بے عنوانیاں
کی جارہی ہیں کہ میں انکو بیان نہیں کرسکتا ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم + ایک دو بات ہو تو بیان بھی کیجائے یہاں تو سر سے

بیر تک حالت خراب ہو رہی ہے عوام و خواص سبھی کے معاملات گندے ہیں خواص تک کی یہ حالت ہے کہ جب وہ کسی کے یہاں مہمان ہوتے ہیں تو کھانیکے وقت دوسرے لوگوں کو بلا بلا کر کھانے میں شریک کرتے ہیں اول تو دوسرے لوگوں کو چاہیئے کہ کھانیکے وقت خود ہی وہاں سے الگ ہو جائیں لیکن اگر وہ الگ نہ ہوں تو مہمان کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ سبکو بلا کر شریک کرے آخر تمکو کیا حق ہے کہ دوسرے کے دسترخوان پر بدوں اسکی اجازت کے لوگوں کو بٹھلاؤ۔ رہا یہ میزبان اس سے خوش ہوتا ہے اسکو ناگوار نہیں ہوتا یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ہر شخص اپنے مہمانی کے اندازے سے کھانا پکاتا ہے جب زیادہ آدمی بیٹھ جاوینگے تو اسکو ضرور ناگوار ہوگا اور اگر اسکو ناگوار نہ ہو تو اسکے گھر والوں کو ناگوار ہوگا کیونکہ انکو اپنے لیئے از سر نو انتظام کرنا ہوگا بلکہ عورتوں کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے واسطے چولھا گرم نہیں کرتیں اگر کسی وقت کھانا نہیں بچتا تو وہ خود فاقہ کر لیتی ہیں اور اپنے گھر والوں کی کلفت کسی کو گوارہ نہیں ہوتی مگر اسکی خواہش کو بھی پروا نہیں وہ دسترخوان پر بیٹھکر ساری مجلس کو بلا کر شریک کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حاضرین کو نہ بلانا اور تنہا کھانا شرم کی بات ہے افسوس انکو خدا سے شرم نہیں آتی اگر ایسی ہی شرم ہے تو انکو بازار سے اپنے دام خرچ کرکے کھانا منگانا چاہیئے پھر اختیار ہے کہ جتنے آدمیوں کو چاہو بلا لو۔ مگر انشاء اللہ جسدن اُن سے ایسا کرنیکے لیئے کہا جاویگا اُسدن ایک کو بھی نہ بلاوینگے ایک مرتبہ میرے یہاں ایک عالم مہمان تھے گھر سے اُن کے لیئے کھانا گیا اور یہ قاعدہ ہی کہ مہمان کے سامنے کفایت کی مقدار سے کچھ زیادہ ہی بھیجا جاتا ہے تو کھانا زائد دیکھکر وہ عالم صاحب ایک دوسرے شخص کو جو میرا مہمان نہ تھا کھانے میں شریک کرنے لگے میرے ملازم نے کہا کہ یہ کھانا آپ کی ملک نہیں بلکہ اسکی اباحت کی گئی ہے جتنا آپ خود کھا سکیں کھا لیں باقی جو بچیگا وہ گھر میں واپس جاویگا دوسرے کو اسمیں شریک کرنیکا آپکو حق نہیں تو وہ عالم کہنے لگے کہ میں گھر سے اور کھانا نہ منگاؤنگا دونوں اسی میں سے کھا لیں گے اور جتنا کھانا میرے واسطے گھر سے آگیا ہے اسمیں مجھے اختیار ہے چاہے سب کھاؤں یا کچھ چھوڑ دوں یا کسی کو کھلا دوں میرے ملازم نے کہا کہ گھر میں سے مہمان کے سامنے ہمیشہ زیادہ ہی کھانا آتا ہے تاکہ اُسے کم نہ پڑے باقی اسمیں مہمان کی تملیک نہیں کیجاتی ہے محض اباحت ہوتی ہے اگر آپ خود سارا کھا جائیں

اسکی تو اجازت ہے مگر دوسروں کو شریک کرنیکا آپکو کوئی حق نہیں اور اگر آپ میری بات نہیں مانتے تو فلاں شخص سے (یعنی احقر سے) پوچھ لیجئے کہنے لگے ہاں پوچھونگا حالانکہ یہ مسئلہ بالکل ظاہر تھا درسی کتابوں میں بھی موجود ہے پوچھنے کی ہی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی ان عالم صاحب کو اسکا خیال نہوا اور میرے ملازم کو بھیجا بنکر کہنا پڑا پھر تماشا یہ کہ پوچھا بھی نہیں آخر میں نے خود ہی متنبہ کیا۔ فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ اباحت میں کھانا مالک کی ملک میں رہتا ہے اگر مالک لقمہ اگلوانا چاہے تو اسکو اسکا بھی حق ہے البتہ تملیک کی صورت میں وہ کھانا لینے والے کی ملک ہو جاتا ہے جیسے تقریبات کے اندر کھانا گھروں میں بھیجا جاتا ہے وہ ملک ہے باقی مہمان کے سامنے جو کھانا آتا ہے وہ اسکی ملک نہیں ہوتا وہ محض اباحت ہے کہ جتنا تم کھا سکو کھالو باقی مالک کو واپس کردو مگر آجکل بعض اہل علم تک کو بھی اسکا لحاظ نہیں اور اسکی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ یہ امور شرفاء کے اندر تو فطری ہوتے ہیں انکو دوسرے کے مال میں تصرف کرتے ہوئے خود ہی حجاب آتا ہے اور چھوٹی قوموں کے اندر حرص کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور اسوقت شرفاء نے علم دین کی طرف توجہ چھوڑ دی ہے چھوٹی قوموں کے لوگ زیادہ پڑھتے ہیں تو ان کے اخلاق تو ایسے ہی ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ نے خاص خاص قوموں میں خاص خاص خاصیتیں رکھی ہیں اسی لئے نواب سعادت علیخاں کی عادت تھی کہ وہ بعض قوموں کو ملازم نہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ قومیں رشوت خوار زیادہ ہوتی ہیں ایک شخص جو اسی قوم کا تھا اسکو ملازمت کی ضرورت ہوئی تو سعادت علیخاں کو درخواست دی اس نے وہی عذر کیا تو آپ نے اس قاعدہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ شعر لکھا ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد　　　نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

مطلب یہ تھا کہ تم جو ان قوموں کے سب لوگوں کو یکساں سمجھتے ہو یہ غلط ہے سب برابر نہیں ہوتے سعادت علی خاں نے لطیفہ کے طور پر جواب میں لکھا لیکن وقت خوردن ہمہ یکساں می شوند یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ خدا نے پانچوں انگلیاں برابر پیدا نہیں کیں یہ درست ہے مگر کھانے کے وقت سب برابر ہو جاتی ہیں چنانچہ لقمہ سب کے سروں کو برابر ملا کر ہی لیا جاتا ہے بس میاں اپنا سا منہ لیکر رہ گئے ہونگے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ علماء کو اصلاح اخلاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے

ہمارے نواح میں ایک بزرگ کسی رئیس کے یہاں مدعو تھے کھانیکے وقت اُنکو بلایا گیا تو اُنکے اہل مجلس سب ساتھ چل کھڑے ہوئے اس بارہ میں گانووالے بہت اچھے ہوتے ہیں کہ کھانیکا نام سنتے ہی اُٹھ بھاگتے ہیں جب وہاں سب جاکر بیٹھے تو میزبان نے تواضع کے طور پر سب سے کہا کہ آپ بھی کھانیمیں شریک ہوجائیں کھانا بہت ہے کچھ لوگوں نے عذر کیا کہ ہم تو محض حضرت کے ساتھ چلے آئے تھے ہم کھانا نہ کھاوینگے میزبان خاموش ہوگیا تو وہ بزرگ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ایک مسلمان محبت سے کہتا ہے تو تم انکار کیوں کرتے ہو سبحان اللہ کوئی اس غریب کے دل سے پوچھتا کہ وہ کیسی محبت سے کہہ رہا تھا وہ تو محض اس غیرت کے لحاظ سے کہہ رہا تھا کہ جب یہ لوگ میرے گھر پر کھانیکے وقت آگئے تو ان سے کھانیکے لیے نہ کہنا اور اُنکی بات تک نہ پوچھنا عرفاً مذموم ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جس شخص نے دس پانچ آدمیوں کے کھانے کا انتظام کیا ہو وہ اتنے بڑے مجمع کو محبت سے کب مدعو کرسکتا ہے جو اس مثل کے موافق آگئے ہوں مان نہ مان میں تیرا مہمان غرض اُن بزرگ کے ارشاد سے سب لوگ ہاتھ دھو دھوکر بیٹھ گئے اور کھانا کم ہوگیا بیچارے میزبان نے اپنے بھائی کے گھر سے منگایا وہ بھی کافی نہ ہوا آخر بازار سے منگایا سب کے سامنے بے آبروئی ہوگئی کہ انکے گھر کھانا نہ نکلا اور سخت بے لطفی ہوئی بعد میں بعضوں نے خود ان بزرگ کی شکایت کی کہ انکو خدا کا خوف نہیں آیا کہ اتنے بڑے مجمع کو دوسرے کے گھر پر لا کھڑا کیا۔ صاحبو بیڈھنگی بات سے ہر شخص کو تکلیف ہوتی ہے گو کوئی شرم و لحاظ کی وجہ سے ظاہر نہ کرے مجھے خود واقعہ پیش آیا کہ ایک انجمن میں مجھے بلایا گیا تو میں نے سفر خرچ کے سوا کچھ نہ لیا اور کرایہ بھی تیسرے درجہ کا لیا وہ بھی انجمن سے نہیں بلکہ خاص داعی کی رقم سے جو کہ پہلے ہی شرط ٹھہر چکی تھی وہ مجھے زائد دینے لگے میں نے انکار کیا اور کھانیکے اندر بھی میں نے تکلف کرنے سے منع کردیا تھا اس برتاؤ سے انجمن والے بڑے خوش ہوئے اور میرے سامنے سکریٹری انجمن نے ایک واعظ کی شکایت کی کہ صاحب وہ تو ایک دن میں گیارہ روپیہ کے پان کھاگئے گیارہ روپیہ کے پان ایک آدمی تو بھلا کیونکر کھا سکتا ہے بس یہ ہوا کہ جتنے آدمی اُن سے ملنے آئے اُن سب کو خوب پان کھلائے اسوقت تو کسی نے کچھ نہ کہا مگر بعد میں شکایت زبان پر آہی گئی میں نے دل میں کہا کہ آپ جو مجکو زیادہ رقم دے رہے تھے اگر میں لے لیتا تو کل کو آپ میری بھی شکایت کرتے اور واقعی

میزبان کو جب کلفت ہوتی ہے تو شکایت دل میں آتی ہی ہے اسلیئے الحمد للہ کہ میں نہ پان
کھاتا ہوں نہ چائے پیتا ہوں نہ ناشتہ کا عادی ہوں تاکہ میزبان کو کوئی کلفت نہوتے پاوے
ایک جگہ کھانیکے بعد یہ خیال کرکے کہ میزبان بے تکلفی سے خوش ہوگا میں نے پان مانگ لیا
مگر میزبان نے خوب ہی کیا کہ صاف جواب دیدیا کہ ہمارے یہاں پان نہیں ہے کوئی کھاتا نہیں
اور واقعی یہ پان کا خرچ بالکل ہی فضول ہے اسمیں میزبان کا اچھا خاصا خرچ ہو جاتا ہے اور
احسان کسی پر نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تو ایک ہی ٹکڑا کھایا تھا مگر سو
آدمیوں کو ایک ایک ٹکڑا دینے میں میزبان کے تو روپے خرچ ہو جاتے ہیں پھر کھانیکا تو وقت
بھی مقرر ہے کہ دن رات میں دو وقت کھایا جاتا ہے پان کا کوئی وقت ہی نہیں میرے خیال
میں بعض دفعہ پان کا خرچ کھانے سے بھی بڑھ جاتا ہوگا اسلیئے اسکو بالکل ہی حذف کردینا
چاہیئے اور اگر کسی مہمان کے واسطے پان آویں تو اسکو یہ جائز نہیں کہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو
بھی کھلا دے اور فرمایش کرکے اُن کیلیئے پان منگائے اس سے میزبان کو بعض اوقات
ناگواری ہوتی ہے اسی واسطے میری عادت ہے کہ جب میں سفر کرتا ہوں تو اپنے ساتھ صرف
ایک آدمی کو لیتا ہوں اور داعی کو پہلے سے اسکی اطلاع کردیتا ہوں تاکہ وہ آزاد رہے داعی پر
صرف میرا اور اُس آدمی کا بار ہوتا ہے پھر بعض دفعہ راستہ میں اگر بعض لوگ محبت کی وجہ
سے ساتھ ہو لیتے ہیں تو میں اُن سے صاف کہدیتا ہوں کہ آپ اپنا انتظام خود کریں جہاں
میرا قیام ہوگا وہاں آپ قیام بھی نہ کریں بلکہ سرا وغیرہ میں جہاں آسانی ہو وہاں ٹھریں
اور بازار سے اپنے کھانیکا انتظام کریں اور صبح و شام محض ملاقات کیلیئے میرے پاس آجایا
کریں جس سے میزبان کو یہ نہ معلوم ہو کہ آپ میرے ساتھ ہیں پھر اگر وہ از خود آپ کی دعوت
کرے تو آپ اپنے تعلقات کو دیکھکر دعوت منظور کریں یا رد کردیں ہمیرے طفیلی بنکر کھانا نہ کھاویں
اور اگر کسی وقت میزبان مجھسے کہنے لگتا ہے کہ آپ کے ان ہمراہیوں کی دعوت بھی میں کرنا
چاہتا ہو تو میں صاف کہدیتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی نہیں ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا اگر
آپ کو دعوت کرنا ہو تو خود اُن سے کہیئے اور محض اپنے تعلقات کی بنا پر جو چاہے کیجئے میرے
اوپر اسکا احسان نہوگا میں اُن سے کہنا نہیں چاہتا میری عام عادت یہی ہے ہاں اگر کوئی

بہت ہی مخلص ہوتا ہے تو وہاں میں اس قاعدہ پر عمل نہیں کرتا ایک مرتبہ جونپور میں بہت سے لوگ میرے ساتھ ہو گئے اور سب اپنا اپنا انتظام بازار سے کرتے تھے میزبان چاہتے بھی تھے کہ سب میرے ہی یہاں کھانا کھاویں مگر میرے ساتھیوں نے منظور نہ کیا ایک عالم مجھ سے جھگڑنے لگے کہ صاحب آپ اپنے ساتھیوں کو فرما دیجئے کہ آپ ہی کے ساتھ کھانا کھاویں اسمیں میزبان کی دل شکنی ہوتی ہے میں نے کہا مولانا بس آپ خاموش رہیں میں اس رسمی دل شکنی کو اس حقیقی کلفت سے سہل سمجھتا ہوں جو اتنے مجمع کے انتظام سے میزبان کو اور اُن کے گھر والوں کو پیش آئیگی اور کسی کسی کو ناگواری بھی ہوگی اب سنئے دوسروں کے گھر پر تو مولانا کی یہ رائے تھی مگر جب خود دعوت کی تو صرف میری اور ساتھیوں میں سے اپنے ایک قدیم دوست کی دعوت کی بقیہ ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہ پوچھا اور عذر کرنے لگے کہ گھر میں علالت تھی اسلئے میں سبکو مدعو نہ کر سکا میں نے دل میں کہا کہ دوسروں کے گھر پر رائے دیتے ہوئے آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ شاید اُن کے گھر پر بھی کوئی عذر ہو جس سے گھر نہیں پک سکتا تھا تو بازار میں تو پک سکتا تھا بلکہ میرا خیال یہ ہے کہ مولانا کو میری دعوت کرنے کی ہمت بھی اسی لئے ہوئی کہ دیکھ لیا کہ میں ساتھیوں کو دعوت میں شریک نہیں کرتا اگر سارے ساتھی میرے ساتھ دعوت میں شریک ہوا کرتے تو شاید وہ میری بھی دعوت نہ کرتے اس لئے مشائخ و علماء کو ان باتوں کا بہت ہی خیال رکھنا چاہیئے کہ اپنے سب ساتھیوں کا بار میزبان پر نہ ڈالا کریں غرض اموال میں بہت کم احتیاط کی جاتی ہے جسکی وجہ سے ہماری معاشرت نہایت خراب ہو رہی ہے اور اسکا منشا وہی ہے کہ ہم دنیا کو دین پر اور آخرت پر مقدم کر رہے ہیں اب ایک چیز رہ گئی جاہ یہ مال سے بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ جاہ کی حقیقت ملک قلوب ہے اس سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں جو کام ہزاروں روپئے خرچ کرنے سے بھی پورے نہ ہوں وہ صاحب جاہ کے زبان ہلانے سے نکل جاتے ہیں اور اصل میں جاہ محض اس وجہ سے مطلوب ہے تاکہ اسکے ذریعہ سے لوگوں کی ایذا سے بچا رہے یعنی جاہ کا اصل نفع دفع مضرت ہو مگر آج کل اسکو جلب منفعت کیلئے آلہ بنایا جاتا ہے اور اُس سے ہزاروں روپیہ کمایا جاتا ہے غرض جب حب مال دنیا ہے تو حب جاہ دنیا کیوں نہ ہوگی حدیث میں ہے

ما ذئبان جائعان ارسلا فی قطیعہ غنم افسد لہا من حب المال والشرف للدین (او کما قال) یعنی دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلہ کو اتنا تباہ و برباد نہیں کرتے جتنا حب مال و حب جاہ دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ حب جاہ دین کو کسقدر تباہ کر دیتا ہے حقیقت میں جاہ حاصل کرنیکے لئے انسان وہ وہ کام کر گذرتا ہے جو تحصیل مال کیلئے بھی نہیں کرتا تحصیل جاہ میں دین کو اچھی طرح برباد کیا جاتا ہے رسوم و تقریبات میں ہزاروں روپیہ محض نام کے واسطے خرچ کئے جاتے ہیں شادی اور غمی میں ایک شخص اپنی زمین و جائداد تک بیچ ڈالتا ہے کوئی اس سے پوچھے کہ تو نے کیا حاصل کیا کچھ بھی نہیں صرف ایک نام خریدا جو اگر بیچا جاوے تو دو کوڑی کو بھی نہیں بکسکتا۔ خیر یہ لوگ تو دنیا خرچ کرکے ایسی چیز خرید سکتے ہیں جسکو وہ خود بھی دنیا سمجھتے ہیں مگر بعض لوگ دین کی صورت بنا کر دنیا خریدتے ہیں یہ اُن سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ تو دنیا کو دنیا کی صورت سے حاصل کرتے ہیں کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور یہ جماعت دنیا حاصل کرتی ہے دین کی صورت میں اس سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ وہ خود بھی دھوکہ میں رہتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں چنانچہ تحصیل علم دین سب سے اعلیٰ چیز ہے مگر دیکھ لیجئے اسمیں لوگوں کی کیا کیا نیتیں ہیں اکثر کی نیت محض دنیا ہی کمانا ہوتا ہے گو علم دین سے دنیا بہت حاصل نہیں ہوتی ہاں گداگری آجاتی ہے کہ آئے دن مسلمانوں سے چندوں کا سوال ہوتا ہے جس سے بجائے عزت کے ذلت زیادہ ہوتی جاتی ہے مگر پھر بھی بعض لوگ محض اس نیت سے علم حاصل کرتے ہیں کہ عالم بنکر ایک مدرسہ مستقل قائم کرکے اُسکے لئے چندہ کرینگے۔ اور بعض لوگ چندے بھی نہیں کرتے انکو مال اگرچہ کم ملتا ہے مگر جاہ زیادہ حاصل ہوتی ہے کیونکہ اب بھی مسلمانوں میں علماء کی قدر بحمد اللہ بہت ہے بشرطیکہ وہ علماء کے طرز پر رہیں گداگری نہ کریں گو وہ علماء کا طرز ریا ہی سے اختیار کریں اور اُن کی نیت علم حاصل کرنے سے یہی ہو کہ مخلوق کی نگاہ میں ہماری عزت ہوگی مگر اس طرز استغناء کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے خواہ مخواہ عالم کی قدر ہو ہی جاتی ہے تو بعض لوگ علم پڑھنے سے اگر چندہ کرنے کی نیت بھی نہ کریں مگر حصول جاہ کی نیت کرتے ہیں یہ بھی دنیا ہی ہے مگر دین کی صورت میں اس علم کا انجام یہ ہوگا کہ حدیث میں ہے یجاء باشہید

یوم القیامۃ فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفہا قال ما عملت فیہا قال قاتلت فیک حتی استشہدت قال کذبت ولکنک قاتلت لان یقال فلان جری فقد قیل ثم امر بہ فسحب علی وجہہ حتی القی فی النار یعنی شہید کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جائیگا پھر حق تعالیٰ اسکو اپنی نعمتیں بتلائیں گے جبکہ وہ اقرار کریگا پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تونے کیا عمل کیا وہ کہیگا اے پروردگار میں نے آپکے راستہ میں جہاد کیا حتی کہ شہید ہوگیا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے تونے محض اسواسطے قتال کیا تھا تاکہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے دل کا مضبوط ہے حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے بیان دیئے کسی سے نہیں ڈرا اور جیلخانہ میں خوشی کے ساتھ چلا گیا سو دنیا میں تمہاری تعریف ہو چکی پھر حکم ہوگا کہ اسکو اوندھے منہ کرکے جہنم میں ڈالدو۔ ثم یجاء بالقاری قد تعلم العلم وعلمہ وقرأ القرآن فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفہا قال فما عملت فیہا قال تعلمت العلم وعلمتہ وقرأت فیک القرآن قال کذبت ولکنک قرأت لیقال انک قاری فقد قیل ثم امر بہ فسحب علی وجہہ حتی القی فی النار۔ پھر عالم کو لایا جائیگا جس نے علم کو حاصل کرکے دوسروں کو بھی پڑھایا تھا اور قرآن کو (اچھی طرح) پڑھا تھا حق تعالیٰ اسکو بھی اپنی نعمتیں جتائیں گے جبکہ وہ اقرار کریگا پھر ارشاد ہوگا کہ تمنے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کیا وہ کہیگا کہ میں نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو سکھایا اور آپ کی رضا کیلئے قرآن کو سیکھا ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے محض اسلئے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے لوگ عالم کہیں اور اسلئے قرآن پڑھا تھا تاکہ تجھے قاری کہا جاوے سو یہ سب کچھ ہو چکا پھر اسکے لئے بھی وہی حکم ہوگا چنانچہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔ یہ مولانا صاحب کی گت بنی جو بڑے نکتہ داں اور بڑے مدرس و مفتی تھے جنکے ہزاروں آدمی مرید و معتقد تھے اور مصافحہ کے وقت اُن کے ہاتھ پیر چومے جاتے تھے۔ ثم یجاء بالجواد پھر سخی کو بلایا جائیگا جسکو خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتیں اور مختلف انواع کا مال عطا فرمایا تھا حق تعالیٰ اُسکے سامنے بھی اپنی نعمتیں گنائیں گے جبکہ وہ اقرار کریگا پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تونے کیا کیا وہ کہیگا کہ اے پروردگار میں نے کوئی موقعہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں روپیہ کا خرچ کرنا آپ کو محبوب تھا مگر وہاں آپ کیلئے ضرور

مال خرچ کیا ارشاد ہوگا تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے یہ سب کچھ محض اسلئے کیا تاکہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے بس تمھاری تعریف ہو چکی پھر اسکے لئے بھی وہی حکم ہوگا چنانچہ اسکو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈالدیا جائیگا (قلت رواہ مسلم والنسائی ورواہ الترمذی وحسنہ وابن حبان فی صحیحہ کذا فی الترغیب للمنذری صـ۱۴) تو دیکھئے شہید اور عالم اور سخی کی یہ گت کیوں بنی محض اسلئے کہ انھوں نے خدا کیواسطے یہ کام نہ کئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ محض صورت دین کا نام دین نہیں بلکہ صورت کے ساتھ حقیقت بھی ہونی چاہیئے جیسا مولانا فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انسان بدے   احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

اگر محض صورت دین قابل اعتبار ہوتی تو قیامت میں شہید اور عالم اور سخی کی یہ گت نہ بنتی کیونکہ صورت دین کی تو اُن کے پاس کچھ کمی نہ تھی مگر حقیقت دین سے وہ خالی تھے یعنی اخلاص فی العمل سے اسلئے وہ صورت کچھ کام نہ آئی صورت اور حقیقت میں ایسا فرق ہے جیسے ایک تو حقیقی شیر ہوتا ہے جسکی صورت سے تو کیا آواز اور بو تک سے تمام جانور کانپ جاتے ہیں اور جنگل کا جنگل تھرّا جاتا ہے اور ایک مصنوعی شیر ہوتا ہے جیسے بعض جگہ محرم کے مہینہ میں بعض لوگ شیر کی کھال پہنکر شیر بنتے ہیں وہ ایسا شیر ہوتا ہے کہ اگر سامنے سے بھیڑیا یا بولا کتا آجاوے تو یہ شیر صاحب سب سے پہلے دم دبا کر بھاگیں یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو دین کی صورت میں دنیا حاصل کرتے ہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

اینکہ می بینی خلاف آدم اند   نیستند آدم غلاف آدم اند

جسطرح وہ مصنوعی شیر حقیقت میں شیر نہیں بلکہ غلاف شیر ہے اسی طرح دنیا بصورت دین حقیقت میں دین نہیں بلکہ محض غلاف دین ہے جیسے کوئی بدشکل بڑھیا عورت جوان عورتوں کا بھیس بدلکر عمدہ لباس پہنکر ایک مرد سے شادی کرلے ظاہر میں وہ جوان معلوم ہوگی لیکن جب لباس اوتار کر دیکھا تو ماں کی بھی ماں نکلی ؎

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد   چوں باز کنی مادر مادر باشد

یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو بدون اخلاص کے دین کے کام کرتے ہیں ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل ✤ واندروں قہر خدائے عز و جل ✤
از بروں طعنہ زنی بر بایزید ✤ وز درونت ننگ می دارد یزید

مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ صورت بالکل بیکار ہے میرا مطلب یہ ہے کہ محض صورت کافی نہیں بلکہ صورت کے ساتھ حقیقت بھی ہونی چاہئے دیکھو اگر کوئی یہ کہے کہ مٹی کا بنایا ہوا آم بیکار ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آم کی صورت مطلقاً بیکار ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس صورت کے ساتھ اگر حقیقت بھی آم کی ہو اسوقت تو یہ صورت بھی اچھی ہے ورنہ مٹی کی صورت کو کوئی لیکر کیا کرے چنانچہ حقیقی آم میں اسکی صورت بھی مطلوب ہوتی ہے جہاں اسکی شیرینی اور لطافت کی تعریف کیجاتی ہے وہاں اسکی شوخی رنگ اور چھلکے کی باریکی کی بھی تعریف ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایک نہایت حسین عورت کا فوٹو آپ کو دے تو اسکو آپ فضول سمجھیں گے لیکن اگر ویسی ہی حسین عورت زندہ آپکو ملجائے تو اسوقت آپ صورت کو ہرگز بیکار نہ سمجھیں گے اسی طرح سمجھو کہ دین کی صورت بھی مطلوب ہے بشرطیکہ اسکے ساتھ حقیقت دین بھی جمع ہو جاوے اگر حقیقت دین ہے ساتھ صورت دین نہو جیسے بہت لوگ باطن کے اچھے ہوتے ہیں ان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت اور تواضع و اخلاص سب کچھ ہوتا ہے مگر ظاہر میں صورت شرع کے خلاف ہوتی ہے تو انکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تصرف کرکے اپنی روح کا کتے کے قالب میں حلول کردے بعض لوگوں کو تصرف کی مشق سے یہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی روح کو دوسرے حیوانات کے اجسام میں منتقل کردیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی روح انسانی کو کتے کے قالب میں منتقل کردیگا تو وہ اسوقت کتا ہی ہوگا انسان نہوگا گو روح انسان کی ہے مگر کوئی شخص بھی اسکو آدمیوں کی برابر بٹھلانا گوارہ نہ کریگا اس مثال سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ صورت کی بھی ضرورت ہے اور حقیقت کی بھی نہ صورت بدون حقیقت کے کافی ہے نہ حقیقت بدون صورت کے کافی ہے (گو اس عدم کفایت میں تفاوت ضرور ہے کہ صورت بدون حقیقت کے زیادہ بری ہے اور حقیقت بدون صورت کے گو اتنی بری نہیں مگر بری وہ بھی ہے خوب سمجھ لو ۱۲ جامع) اس جگہ بعض طالب علموں کو ایک شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں حواصل طیور خضر میں ہونگی

اور تقریر سابق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر انسان کی روح کسی حیوان کے قالب میں منتقل ہوجاے
تو اسوقت وہ انسان نہوگا بلکہ حیوان ہوگا اس سے لازم آتا ہے کہ شہدا جنت میں انسان
نہیں رہینگے بلکہ پرندے بنجائینگے اور یہ فضیلت کے منافی ہے کیونکہ انسان پرندی سے افضل
ہے پس اسکا پرندہ بنجانا اسکے تنزل کا سبب ہوگا نہ ترقی کا اسکا جواب یہ ہے کہ جنت میں
وہ جسم طیر شہدا کیلیے مرکب ہوگا انکا حقیقی جسم وہ نہ ہوگا بلکہ ان کے لیے جسم انسانی دوسرا ہوگا
پس ارواح شہدا کا حواصل طیور خضر میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں ہم بہل اور بگھی یا ڈولی
اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی
اور بگھی آرہی ہے ہمارا جسم اسکو نظر نہ آئیگا مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائیگا کہ بگھی اور پالکی
ہمارا جسم ہے اور ہماری روح اسکے اندر حلول کیے ہوئی ہے بلکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اسکے اندر
جو آدمی بیٹھا ہے اسکا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اسکی سواری ہے اسطرح
یہاں سمجھیے کہ جنت میں ارواح شہدا کیلیے سبز پرندوں کا جسم بمنزلہ پالکی کے ہوگا اور اسکے اندر
روح انسانی اپنے جسم انسانی کے ساتھ سوار ہوگی پس اس سے انسان کا پرندہ بنجانا لازم نہیں
آتا یہ صورت جب لازم آتی کہ روح انسانی اپنے جسم سے علیحدہ ہوکر جسم طیر میں حلول کرتی اور
وہاں یہ بات نہوگی اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جسکے اندر شہدا کی روحیں حلول
کرکے حواصل طیور خضر میں سوار ہونگی آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اسکی تحقیق کیلیے
کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں
انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے
لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر
ملجائیگا گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے اہل کشف کو معلوم ہوا
ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے ہوتا ہے لہذا ملحدین کا یہ اعتراض
رفع ہوگیا کہ احادیث میں جو عذاب و ثواب قبر کا ذکر ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہمنے انسان
کے مرجانیکے بعد اسکے جسم عنصری کا مہینوں پہرہ دیا ہے ہمکو تو کچھ بھی عذاب و ثواب نظر نہیں آیا
جواب یہ ہے کہ برزخ میں انسان کو دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے عذاب و ثواب اسی کو

ہوتا ہے لہذا جسد عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اسکی مطلقا نفی نہیں ہوسکتی پھر بعض دفعہ حق تعالی نے اپنی قدرت ظاہر کرنیکے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب کو ظاہر کیا ہے چنانچہ اس قسم کے واقعات منقول ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردہ کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی لہذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ الغرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ ظاہر کے ساتھ باطن کی بھی ضرورت ہے اور باطن کے ساتھ ظاہر کی ضرورت ہو بعض جاہل درویشوں کو یہ غلطی پیش آئی ہے کہ انھوں نے باطن کا اس درجہ اہتمام کیا کہ اصلاح ظاہر کو بیکار و فضول سمجھنے لگے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی روح ذکر ہے پھر یہ دعوی کیا کہ ہمارا باطن ہر دم ذاکر ہے اسلئے ہمکو نماز کی ضرورت نہیں اسی طرح زکوۃ کی روح تزکیہ باطن ہے کہ دل کو حرص و بخل وغیرہ سے پاک کیا جائے پھر کہنے لگے کہ ہمارے اخلاق مہذب ہو چکے ہیں ہمکو زکوۃ دینے کی ضرورت نہیں علی ہذا حج کی روح تجلی الوہیت کا مشاہدہ ہے اور ہمکو تجلی الوہیت کا مشاہدہ ہر جگہ حاصل ہو جاتا ہے اسلئے حج کی بھی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو یہ صریح زندقہ ہے ان لوگوں نے اعمال شرعیہ کی ارواح کو دیکھا ہی نہیں اگر وہ ان اعمال کی حقیقی ارواح کو دیکھ لیتے تو پھر ان اعمال کی صورت کو بیکار نہ سمجھتے کیونکہ ہر عمل کی روح کو اسکی صورت کے ساتھ ایسا خاص تعلق ہے کہ وہ بدون اسکے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی نماز کی روح مطلق ذکر نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ ایک خاص ذکر ہے جسکا تحقق اسی صورت صلوۃ کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح حج کی روح مطلق مشاہدہ تجلی الوہیت نہیں ہے بلکہ خاص وہی مشاہدہ ہے جو بدون افعال حج کے حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ بعض دوائیں بالخاصہ مفید ہوا کرتی ہیں کہ وہ خاصہ انہی میں ہوتا ہے کسی دوسری دوا سے وہ حاصل نہیں ہوسکتا گو وہ درجہ حرارت و برودت میں اسکے بالکل برابر ہی ہو خوب سمجھ لو میں نے اس مسئلہ کو ایک وعظ میں نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جسکا نام روح الارواح ہے) اسلئے میں پھر کہتا ہوں کہ نہ ظاہر باطن سے مستغنی ہے نہ باطن ظاہر سے بلکہ دونوں کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے یہ مضمون ظاہر و باطن کے متعلق درمیان میں ایک مناسبت سے مذکور ہو گیا میں اصل میں یہ کہہ رہا تھا کہ بعض لوگ دنیا کو دین کی صورت میں حاصل کرتے ہیں چنانچہ بہت لوگ علم دین

حاصل کرتے ہیں جو ظاہر میں آخرت کا کام ہے دنیا کا کام نہیں مگر انکی نیت جاہ و مال حاصل کرنیکی ہوتی ہے اسلئے ایسے علم کو دنیا ہی کہا جاویگا یہ ہے تحصیل دنیا بصورت دین دین کا کام خاص وہ علم ہے جسمیں اخلاص ہو جسکی آج کل بہت ہی کمی ہے علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنیوالا تمسے اچھا اس بستی میں آجاوے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا پیری مریدی کرنا کسی نیک کام کیلئے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تمکو اسکے آنیکی خوشی ہو رنج نہو بلکہ تم خود لوگوں کو اسکے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ وہ مجھسے بہتر ہیں اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیجدیا جس نے تمھارا بوجھ بٹوالیا اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو مگر اب تو اگر کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا چلا آوے جسکی طرف عوام کا رجوع ہونے لگے تو جلے مرتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی بات ایسی ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں اور اسکو چھوڑ دیں اس سے انکو خاصی رقابت ہو جاتی ہے اور وہی مثال ہوتی ہے کہ دو شمشیر در نیامے نہ گنجند۔ اسی طرح دو عالم در ہفت اسمے نگنجند گویا اپنے کو وحدہ لاشریک لہ سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری ہی طرف رجوع کرنا چاہئے کسی اور کی طرف منہ بھی نہ کرنا چاہئے کیونکہ قبلہ و کعبہ تو ہم ٹھہرے پھر دوسری طرف نماز کیسی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے مفلس ہو۔ اور لیجئے ایک مولوی صاحب کا کسی مدرسہ میں قیام ہے جب اسکا سالانہ جلسہ ہوتا ہے تو آپکو ایک خاص حظ آتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ حظ دینی ہے کیونکہ نفس کہتا ہے کہ مجکو محض دین کا کام جاری ہونے اور طلباء فارغین کو سند فراغ ملنے کی خوشی ہو رہی ہے اپنی کارروائی ظاہر ہونے کی خوشی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسکا ایک امتحان ہے وہ یہ کہ اگر یہ حضرت مولوی صاحب اس مدرسہ سے الگ کر دیئے جائیں اور کوئی دوسرا انکی جگہ پڑھانے لگے پھر اسکی فارغ کردہ طلبہ کو سند فراغ دیجائے اور اسکے لئے جلسہ کیا جائے تو ان مولوی صاحب کو اسوقت بھی یہی حظ آئیگا یا نہیں ایمان سے اپنے دل میں ٹٹول لیں اگر

اُسوقت بھی انکو ایسا ہی حظ آئے تو واقعی یہ دینی حظ ہے ورنہ سمجھ لو کہ یہ حظ محض دنیوی ہے جسمیں ریاء و عجب کی آمیزش ہے۔ اب تو حالت یہ ہے کہ کسی مدرسہ سے علیحدہ کئے جانیکے بعد یہ مولانا صاحب اُس مدرسہ کی تخریب ہی کے درپے ہوں تو یہ اُن کی بڑی عنایت ہے آئندہ اُسکے جلسوں سے حظ آنا اور مسرت و خوشی ہونا تو بہت دور ہے مجھے خود ایسے واقعات بہت پیش آتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب کسی مدرسہ میں ملازم ہیں جب تک وہ وہاں رہینگے برابر میرے پاس خطوط بھیجتے رہینگے کہ یہاں آپکے آنیکی بہت ضرورت ہے اسجگہ جہالت و بدعت بہت زیادہ ہے پھر جب مولانا کی وہاں سے بدلی ہوگئی تو اس جگہ کی بدعت و جہالت سب رخصت ہوگئی اب وہاں کسی جلسہ و وعظ کی کچھ ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ اب جس جگہ مولانا بدلی ہوکر پہونچے ہیں وہاں کا چاند بدلی میں آگیا اب ساری بدعت و جہالت وہاں آگئی اور اس جگہ کیلئے وعظ و جلسہ کی ضرورت ظاہر ہونے لگی۔ اسکا تو مطلب یہ ہوا کہ ساری بدعات و جہالات کی پوٹ خود ان مولوی صاحب کی ذات بابرکات ہے کہ جہاں آپ پہونچتے ہیں وہیں بدعات و جہالات کا زور ہو جاتا ہے اور وعظ و جلسہ وغیرہ کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے کچھ نہیں نہ پہلی جگہ جلسہ اور وعظ بدعت و جہالت کی اصلاح کیلئے کیا جاتا تھا نہ دوسری جگہ اس غرض کیلئے جلسہ کیا جاتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جس جگہ مولانا صاحب کا قیام ہوتا ہے اُس مدرسہ سے آپ کو تنخواہ ملتی ہے اسلئے چاہتے ہیں کہ اسکی آمدنی اور شہرت زیادہ ہو تاکہ میری تنخواہ میں کمی نہ آئے بلکہ ترقی ہوتی رہے ورنہ اگر بدعت و جہالت کی اصلاح کیلئے جلسے کئے جاتے تو سب سے پہلے اُن مقامات کی فکر ہوتی جہاں کے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنا بھی نہیں آتا انکی صورتیں ہندوؤں جیسی ہیں اور بیاہ شادی سب ہندوؤں کی طرح ہوتی ہیں کیونکہ ان مقامات میں تبلیغ کرنا فرض ہے مگر اب تو ہم لوگ اُسی جگہ جاتے ہیں جہاں ہماری آؤ بھگت ہو ایسے مقامات پر کوئی جائے جہاں کے مسلمان ہمیں پانی پینے کیلئے برتن بھی دیں کیونکہ وہ ہم سے ویسے ہی چھوت چھات کرتے ہیں جیسے ہندو کرتے ہیں افسوس۔ صاحبو یہ نفس کا کید خفی ہے کہ ہم اپنے مدرسہ کے جلسہ سے خوش ہونیکو دینی مسرت سمجھتے ہیں یہ نفس بڑا ہوشیار ہے بعض دفعہ یہ ایسی پٹی پڑھاتا ہے کہ خود صاحب نفس کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ اسمیں

نفس کا کید تھا چنانچہ اس مقام پر بعض اوقات نفس دھوکہ دیتا ہے کہ اپنی کارگذاری پر اسلئے زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ اس فعل کا ہمکو ثواب ملا غیر کے فعل کا ثواب ہمکو نہیں ملتا اسلئے اسکی مسرت اسقدر نہیں ہوئی اسکا امتحان یہ ہے کہ اگر ایسے اسباب جمع ہوجاویں کہ فعل تو انکا ہو مگر انتساب ہوجاوے دوسرے کی طرف تو کیا اسوقت بھی ویسی ہی مسرت ہوتی ہے۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ کوئی تو دنیا کو دنیا کی صورت سے حاصل کر رہا ہے اور اسمیں ایسا منہمک ہے کہ آخرت کی اسے کچھ پروا نہیں اور کوئی دنیا کو دین کی صورت سے حاصل کر رہا ہے ایسا شخص اپنے کو دیندار سمجھتا ہے مگر حقیقت میں یہ بھی دنیا دار ہے حق تعالیٰ اسی کی شکایت فرماتے ہیں بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقیٰ کہ تم فلاح کیلئے کوشش نہیں کرتے بلکہ حیات دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ یہاں چند نکتے سمجھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ بل تؤثرون فرمایا ہے جو ایثار سے مشتق ہے جسکے معنی ایک چیز کو دوسرے پر ترجیح دینے کے ہیں اور اسکے بجائے بل تطلبون یا بل تبتغون نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ مطلق طلب دنیا پر شکایت نہیں ہے بلکہ شکایت اسپر ہے کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیجائے تو اگر کوئی شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دے بلکہ دونوں کے تزاحم کے وقت آخرت ہی کو ترجیح دے لیکن اسکے ساتھ وہ دنیا کمانے میں بھی مشغول رہے تو اسکی مذمت نہیں ہے اسمیں زاہدان خشک کی اصلاح ہے جو مطلق طلب دنیا کو مذموم سمجھتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ ترجیح دنیا علی الآخرۃ کی ممانعت ہے مطلق طلب دنیا کی ممانعت نہیں ہے اب لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شادی کرے تو کہتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو بیوی رکھتے ہیں بزرگوں کو بیوی کی کیا ضرورت ہے سبحان اللہ بس بزرگوں کو فرشتہ ہونا چاہیئے کہ نہ کھائیں نہ پئیں نہ بیوی کریں۔ ایک مرتبہ میں میرٹھ گیا گھر میں سے میرے ساتھ تھیں کیونکہ ان کے معالجہ کی ضرورت تھی اور وہ معالجہ قصبہ میں نہ ہوسکتا تھا شہر ہی میں ہوسکتا تھا قصبہ میں بعض اسباب علاج میسر نہیں ہوتے جو شہروں میں میسر ہوسکتے ہیں۔ وہاں ایک بی بی نے مجھسے بیعت کی درخواست کی تو ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ تو ان سے مرید ہوتی

یہ تو بیوی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں ہمارے پیر صاحب سے مرید ہو جانا انھوں نے پچاس سال سے اپنی بیوی سے بات تک نہیں کی وہ بی بی کچھ مسائل سے واقف تھی اُس نے جواب دیا کہ جب پیر نے پچاس سال تک بیوی سے بات نہیں کی وہ تو پچاس سال تک خدا کا مجرم رہا کہ اتنے عرصہ تک بیوی کے حقوق ضایع کرتا رہا وہ ولی کیا ہوتا وہ تو فاسق ہے غرض آجکل بیوی کو ساتھ رکھنا بھی دنیا میں داخل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو ٹھنڈا پانی پیتے ہیں آٹھ آنہ گز کا کپڑا پہنتے ہیں گیہوں کھاتے ہیں جو کی روٹی نہیں کھاتے حالانکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضور نے جو عادۃً کھایا ہے یا عبادۃً ظاہر ہے کہ عبادۃً نہیں کھایا پھر عادات نبویہ کا اتباع شرعاً واجب نہیں نہ اُن کے ترک میں کوئی گناہ ہے عادات میں مزاج وغیرہ کے لحاظ کرنے کا اختیار ہے (ورنہ حضور کی تو یہ بھی عادت تھی کہ آپ بسا اوقات اپنی گیارہ بیبیوں سے ایک ہی دن میں ہمبستر ہو لیا کرتے تھے اگر تمکو عادات نبویہ کے اتباع کی ایسی ہمت ہے تو تم ایک ہی بیوی سے گیارہ مرتبہ فراغت کرکے دکھاؤ پھر ایک ہی دن نہیں بلکہ چند مرتبہ ایسا کرکے دکھاؤ ۱۲) بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادات ایسی ہیں جنکی ہم برداشت نہیں کرسکتے اسلئے شریعت نے عادات نبویہ کا اتباع واجب نہیں کیا ہاں اگر کسی کو ہمت ہو اور عادات پر عمل کرنا بھی نصیب ہو جاوے تو اسکی فضیلت میں شک نہیں مگر اسکو دوسروں پر طعن کرنے کا بھی حق نہیں۔ جو کی روٹی پر مجھے قصہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھائی آج سے سنت کے موافق جو کی روٹی کھایا کرینگے چنانچہ جو کا آٹا پسوایا گیا اور اسکو چھلنی میں نہیں چھانا گیا کیونکہ حضور کے زمانہ میں آٹے میں پھونک مار دیا کرتے تھے جتنی بھوسی پھونک مارنے سے اڑ گئی وہ اڑ گئی باقی کو گوندھ لیتے تھے خواجہ صاحب نے بھی ایسا ہی کیا اب جو وہ روٹی کھائی گئی تو سب کے پیٹ میں درد ہو گیا اب اُنکا ادب دیکھئے کہ یہ نہیں فرمایا کہ سنت کے اتباع سے ایسا ہوا بلکہ یہ فرمایا کہ بھائی ہماری غلطی تھی جو ہمنے برابری کا دعویٰ کیا اور اپنے کو اس سنت کے قابل سمجھا ہم اسکے قابل نہ تھے اسلئے ہمکو تکلیف ہوئی بس اس سنت پر وہی عمل کرسکتا ہے

جو اس درجہ کا ہو ہم اس درجہ کے نہیں ہیں سبحان اللہ ادب اسے کہتے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ زمین پر سویا کرتے تھے اب آجکل بعض طبائع ایسی ہیں کہ وہ زمین پر نہیں سو سکتے۔ نیز بعض لوگ ایسے ہیں جو زیتون کا تیل اور چربی نہیں کھا سکتے اس سے انکو تکلیف ہو جاتی ہے تو ان سنتوں کا اتباع ضروری نہیں کیونکہ یہ سنن عادیہ ہیں اور عادات میں ہر شخص کو اپنے مزاج کی رعایت کا شرعاً اختیار ہے۔ اسی طرح ملازمت اور کھیتی کرکے دنیا طلب کرنا حرام نہیں چنانچہ آیت میں بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا فرمانا اور بل تطلبون وغیرہ نہ فرمانا اسکی دلیل ہے اسکے علاوہ احادیث و افعال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان اعمال کا جواز بخوبی ثابت ہے۔ شیوخ کاملین کی یہی حالت ہے کہ وہ ضعفاء کو قطع تعلقات مباحہ کا امر نہیں فرماتے ملازمت اور تجارت و زراعت کی بے تکلف اجازت دیتے ہیں عمدہ غذاؤں کے کھانے سے منع نہیں کرتے نہ زیادہ سونے سے روکتے ہیں نہ بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی دل لگی کرنے سے منع کرتے ہیں نہ کم کھانے کا حکم کرتے ہیں بلکہ وہ ہر شخص کی حالت کے موافق علاج کرتے ہیں جسکو دیکھتے ہیں کہ اسے کم کھانے سے ضرر نہو گا اُسے تقلیل غذا کا اعتدال کے ساتھ امر کرتے ہیں اور جسکو دیکھتے ہیں کہ خود ہی کمزور ہے اگر غذا کم کریگا تو اور زیادہ کمزور ہو جائیگا اُسے بجائے تقلیل غذا کے مقویات اور دودھ گھی کھانیکا حکم دیتے ہیں وہ شیخ اناڑی ہے جو سبکو ایک ہی لکڑی ہانکے بعض مشائخ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس جو آتا ہے اسے تقلیل غذا اور تقلیل نوم وغیرہ کی تاکید کرتے ہیں چاہے کسی کا دماغ ہی خشک ہو جائے مولانا ایسے ہی مشائخ کو فرماتے ہیں ؎

چار پا را قدر طاقت بار نہ — بر ضعیفان قدر ہمت کار نہ
طفل را گر نان دہی برجائے شیر — طفل مسکین را ازاں نان مردہ گیر

یعنی بچوں کو اگر تم بجائے دودھ کے روٹی کھلانے لگو تو وہ بیچارہ تو چار دن میں ہلاک ہو جائیگا بس ہر شخص کو اُسکے تحمل کے موافق کام بتلانا چاہئے یہ نہیں کہ ہر شخص کو ملازمت چھوڑا کر پہلے ہی دن تارک بنانا شروع کردو۔ عارف شیرازی ایسے ہی اناڑی شیخ کو بتاتے ہیں ؎

خستم کانرا چو طلب باشد و ہمت نبود — گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود

لوگ دیوان حافظ کو معمولی کتاب سمجھتے ہیں حالانکہ اسمیں تمام تر سلوک ہی سلوک بھرا ہوا ہے اور یہ محض اعتقادی بات نہیں ورنہ تم کسی اور کتاب سے تو اتنے مسائل تصوف سلوک کے نکالدو جو واقع میں تصوف کی کتاب نہو بات یہ ہے کہ مضمون نکلتا اسی جگہ سے ہے جہاں پہلے سے ہوتا ہے آخر دوسرے دیوان بھی تو ایسے موجود ہیں جنمیں دیوان حافظ کا اتباع کیا گیا ہے مگر ان میں سے اتنے مسائل نہیں نکل سکتے کیونکہ وہاں پہلے ہی سے کچھ نہیں غرض عارف شیرازی فرماتے ہیں کہ جن ضعفاء کو طلب ہو مگر ہمت نہو انکو انکی ہمت کے موافق کام تبلانا چاہئے ہمت سے زیادہ اُن سے کام لینا ظلم اور بے مروتی ہے میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنکو آجکل کم کھانے سے نقصان ہوا حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک مرید کم کھایا کرتے تھے مولانا نے انکو منع کیا اور فرمایا کہ دماغ خشک ہو جائیگا اور یہ حدیث پڑھی المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف کہ مسلمان قوی اور مضبوط کمزور سے بہتر ہے کیونکہ تندرست قوی آدمی دوسروں کی بھی خدمت کر سکتا ہے اور کمزور خود دوسروں پر بار ہو جاتا ہے تو خواہ مخواہ غذا کم کر کے اپنے کو ضعیف بنانا اچھا نہیں اور متقدمین سے جو ایسے مجاہدات منقول ہیں تو اُن کے قوی پہلے سے اچھے ہوتے تھے پھر غذا کم کرنے سے اُن کو ضرر اور ضعف نہوتا تھا وہ مجاہدات کے بعد اتنا کام کرتے تھے کہ ہم تندرستی کی حالت میں اسکا دسواں حصہ بھی نہیں کر سکتے مگر اُن مرید صاحب نے مولانا کی ایک نہ سنی اور غذا کم ہی کرتے رہے پھر اُن کو کچھ عربی عبارتیں نورانی حروف میں نظر آنے لگیں مولانا سے بیان کیا وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ بس مجھے کشف ہونے لگا اور میں بڑے درجہ میں پہونچگیا مولانا نے سنکر فرمایا کہ جنون کا مقدمہ شروع ہو گیا تقلیل غذا موقوف کرو دودھ گھی خوب کھاؤ اور طبیب سے دماغ کا علاج کراؤ ورنہ چند دن میں پاگل ہو جاؤ گے مگر وہ اب بھی باز نہ آئے چنانچہ چند روز کے بعد انکو جنون ہو گیا ننگے بیٹھے رہا کرتے اور ذکر کے بجائے گالیاں بکا کرتے۔ اطباء کا طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ جدا معاملہ اُسکے مناسب کرتے ہیں تو شیوخ کاملین بھلا ایسا کیوں نہ کرینگے اگر فہم ہو تو انکے پاس رہکر عامی آدمی بھی اس تفصیل کو سمجھ سکتا ہے چنانچہ ایک شیخ کے پاس ایک مرید رہتا تھا جسکی غذا سب سے زیادہ تھی دوسرے مریدوں نے شکایت کی کہ فلاں

مرید بہت کھاتا ہے شیخ نے اسکو بلایا اور فرمایا کہ بھائی سالک کو تقلیل غذا اختیار کرنی چاہیے بہت نہ کھانا چاہیے بلکہ اعتدال سے کھانا چاہیے اس نے کہا حضرت ہر ایک کا اعتدال جدا ہے آپ نے پہلے میری اصل غذا تو دریافت فرمائی ہوتی اسکے بعد معلوم ہوگا کہ میرا اعتدال وہی ہے جو میں نے اختیار کیا کیونکہ میں یہاں آنے سے پہلے پچیس ۲۵ روٹیاں کھایا کرتا تھا اب پندرہ کھاتا ہوں تو اعتدال ہوا یا اعتدال سے زیادہ اور جو لوگ خانقاہ میں پانچ روٹیاں کھاتے ہیں انکی غذا پہلے سات آٹھ روٹیوں کی تھی تو انکا بھی اعتدال ہے کہ وہ پانچ کھائیں شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو بس اس سے کم مت کرنا اور مریدوں سے فرمادیا کہ بھائی وہ زیادہ نہیں کھاتا اپنی خوراک سے بہت کم کھاتا ہے تو دیکھئے صحبت کی برکت سے اس عامی کو خود معلوم ہوگیا کہ ہر اک کا اعتدال جدا ہے مجھے اپنی غذا اتنی نہ کم کرنی چاہیے جتنی اور لوگوں کی ہے۔ الغرض شریعت نے تمتع دنیا سے منع نہیں فرمایا بلکہ ترجیح دنیا علی الآخرہ سے منع کیا ہے پس دنیا کو بقدر ضرورت طلب کرنا خواہ تجارت سے ہو یا ملازمت سے یہ حرام نہیں ہاں دین کو برباد کر کے دنیا کمانا حرام ہے اس جگہ شاید طلبہ کو ایک اشکال ہوگا وہ یہ کہ قرآن میں تو ارادہ دنیا کی مطلقاً مذمت وارد ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جہنم یصلٰہا مذموما مدحورا ۝ اور ایک جگہ ہے ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا وما لہ فی الآخرۃ من نصیب (وامثالہا من الآیات) سو ان آیات میں ارادہ دنیا پر بھی وعید وارد ہے طلب درکنار تو ارادہ سے بھی آگے ہے وہ تو بدرجہ اولیٰ مذموم ہوگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ القرآن یفسر بعضہ بعضاً پس دیگر نصوص کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ مطلق ارادہ پر وعید کا ترتب نہیں ورنہ پھر احل اللہ البیع وحرم الربوا کے کیا معنی ہونگے اگر ارادہ دنیا مطلقاً مذموم ہے تو بیع وشرا کی اجازت کیوں ہے اور شریعت نے کھیتی پر عشر وغیرہ کیوں واجب کیا اموال میں اور جانوروں میں زکوٰۃ کیوں مقرر کی کیونکہ جب دنیا رکھنا ہی جائز نہ ہوگا تو ان حقوق کے وجوب کی نوبت ہی کہاں آویگی بلکہ اس تقدیر پر تو صاف یہ کہدیا جاتا

تجارت بھی ممنوع ہے اور زیادہ مال جمع کرنا اور بہت سے جانور پالنا بھی حرام ہے حالانکہ نصوص میں زراعت و تجارت اور زیادہ مال جمع کرنیکی کہیں ممانعت نہیں۔ ہاں ممانعت کے بجائے اُن کیلئے احکام زکوۃ وغیرہ مشروع ہیں پس دیگر نصوص کے ملانے سے ان آیات کا مطلب یہ ہے من کان یرید محض العاجلۃ کہ جو شخص صرف دنیا کا ارادہ کرے اُسکے لئے یہ وعید ہے یعنی ارادہ دنیا کی دو قسمیں ہیں ایک تو دنیائے محض کا ارادہ کرنا کہ اُسکے ساتھ آخرت کا ارادہ بالکل نہو یہ مذموم ہے اور موجب وعید۔ دوسرے دنیا کا ارادہ کرنا آخرت کیلئے کہ تجارت و زراعت و ملازمت بطریق حلال اسلئے کرتا ہے تاکہ اُسکے ذریعے سے اہل حقوق کے حقوق ادا کرے اور اطمینان سے آخرت کے کام بجالائے اس صورت میں اصل ارادہ آخرت ہے، اور دنیا کا ارادہ اُسکے تابع ہے اسکی مذمت نہیں نہ یہ موجب وعید ہے بلکہ یہ ارادہ تو ایک درجہ میں فرض ہے جسکو یہ حدیث بیان کرتی ہے طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ روہ البیہقی و الطبرانی والدیلمی عن ابن مسعود وانس وابن عباس ق السخاوی وبعضہا یؤکد بعضا لاسیما وشواہدہا کثیرۃ اھ مقاصد حسنہ ص ۱۴۸ ۔ جامع) اگر ارادہ دنیا مطلقاً مذموم ہوتا تو قرآن میں صحابہ کی طرف اسکو منسوب نہ کیا جاتا حالانکہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حق تعالے نے صحابہ کو اسکے سبب پر تنبیہ فرماتے ہوئے بتلایا کہ یہ شکست اسلئے ہوئی کہ ایک جماعت نے جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درہ کوہ پر متعین فرما کر یہ حکم دیا تھا کہ تم یہاں سے نہ ہٹنا خواہ ہم غالب ہوں یا مغلوب اس حکم کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو غالب اور کفار کو بھاگتے ہوئے دیکھکر درہ کوہ پر ٹھہرنیکی ضرورت نہ سمجھی اور غنیمت کا مال لوٹنے میں مشغول ہو گئے اسکے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الآخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم کہ تم میں سے (یعنی صحابہ میں سے) بعض دنیا کا قصد کرتے تھے اور بعض آخرت کا قصد کرتے تھے اسمیں صحابہ کی طرف ارادہ دنیا کی نسبت کی گئی ہے اور جو شخص صحابہ کے فضائل و مقامات سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ ارادہ مذمومہ کی نسبت صحابہ کی طرف دشوار ہے صحابہ محض دنیا کا ارادہ کبھی نہیں کر سکتے پھر یہاں کیا مطلب ہے ابن عطار نے اسکی تفسیر بیان کی ہے یعنی منکم من یرید الدنیا للآخرۃ و منکم من

یرید الآخرۃ الصرفۃ ۔ کہ تم میں سے بعضے دنیا کا آخرت کیلئے ارادہ کرتے تھے اور بعض محض آخرت کا قصد کرتے تھے اسپر یہ سوال ہوگا کہ جب صحابہ کا ارادہ دنیا آخرت کیلئے تھا تو وہ مذموم نہ تھا پھر اسکو شکست کا سبب کیوں بنایا گیا جواب یہ ہے کہ ارادہ تو فی نفسہ مذموم نہ تھا لیکن وہ غلطی اجتہادی سے مفضی ہوگیا تھا مخالفت حکم رسول کی طرف اسلئے عتاب ہوا اب یہ مسئلہ بالکل منقح ہوگیا کہ مذمت ارادۃ الدنیا للدنیا کی ہے ارادۃ الدنیا للآخرۃ مذموم نہیں پس نوکری اور زمینداری و تجارت سے کسی کو منع نہیں کیا جاتا ہاں یہ کیا جاتا ہے کہ اتنی بات دیکھ لو کہ دین تو برباد نہیں ہوتا آگے حق تعالیٰ ہماری اس غلطی کا منشا بتلاتے ہیں کہ ہم جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اسکا منشا کیا ہے حق تعالیٰ نے لفظ **دنیا** ہی میں اس منشار کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کیونکہ لفظ دنیا **دنو** سے مشتق ہے جسکے معنی قرب کے ہیں یعنی دنیا کے منافع چونکہ عاجل اور قریب ہیں اور بالفعل حاصل ہونے والے ہیں اسلئے تم آخرت پر ترجیح دیتے ہو چنانچہ ظاہر ہے کہ دنیا کی لذتیں ہمکو اسوقت حاصل ہیں خواہ وہ لذات مباحہ ہوں یا افعال معصیت ہوں اسی وجہ سے لوگ انکی طرف متوجہ ہیں اور آخرت کی لذتیں نعمتیں ادھار ہیں اسلئے انکی طرف وہ کشش نہیں جو دنیا کی طرف ہے چنانچہ ایک آزاد شاعر کہتا ہے ؎

ابتو آرام سے گذرتی ہے ۔۔۔ عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ عذر تھا طالبان دنیا کا حق تعالیٰ نے لفظ دنیا میں اسکو بھی بیان فرمادیا۔ کیا رحمت ہے کہ ہمارا عذر بھی ساتھ ساتھ بیان فرمادیا اور یہ قرآن کی کتنی بڑی بلاغت ہے کہ اسکا کوئی لفظ زائد اور بیکار نہیں بہت لوگوں کو اسجگہ لفظ دنیا اختیار کرنیکا نکتہ سمجھ میں نہ آیا ہوگا وہ اسکو زائد سمجھتے ہونگے مگر زائد نہیں بلکہ اسمیں ہمارے عذر کی طرف اشارہ ہے علماء نے ایسا ہی نکتہ سورہ عبس میں ان جاءہ الاعمیٰ کے متعلق بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ کی مجلس میں کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مجتمع تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکو تبلیغ فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے اور انھوں نے پکار کر کہا یا رسول اللہ علمنی مما علمک اللہ

کہ مجھکو بھی وہ باتیں بتلا دیجئے جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتلائی ہیں اس موقع پر ان صحابی کا سوال کرنا کسیقدر حضور کو گراں گذرا کیونکہ آپکو یہ خیال ہوا کہ اصول کی تعلیم مقدم ہے فروع کی تعلیم پر پھر یہ تو ہر وقت کے ہیں یہ سرداران قریش اتفاق سے آگئے ہیں ایسا نہو کہ یہ موقع تبلیغ کا جاتا رہے اور انکی تبلیغ صحابی کی تعلیم سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ صحابی تو ایمان لاچکے ہیں دوسرے وقت بھی احکام دریافت کرسکتے ہیں اور یہ لوگ کافر ہیں جنکو میرے پاس آنیکی طلب نہیں اسوقت اتفاق سے آگئے تو شاید انکو تبلیغ احکام سے ہدایت ہوجائے اس خیال کی وجہ سے صحابی کے سوال پر قدرے آپکو گرانی ہوئی اور چہرہ پر بھی عبوس کا اثر ظاہر ہوا کہ فوراً حق تعالیٰ کی طرف سے محبت آمیز عتاب نازل ہوا عبس وتولیٰ ان جاءہ الاعمیٰ ۔ یعنی رسول کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور وہ اعراض کرنے لگے اس وجہ سے کہ ان کی پاس ایک اندھا آپہونچا تو علماء نے لکھا ہے کہ لفظ اعمیٰ میں حق تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر بیان فرمایا ہے کہ آپکے اخلاق کریمانہ سے یہ بات بہت بعید ہے کہ کسی کے آنے سے آپ کی پیشانی پر بل پڑیں کیونکہ آنے والے کی اس سے دلشکنی ہوتی ہے مگر وہ صحابی چونکہ نابینا تھے جنکو حضور کے عبوس کی اطلاع نہو سکتی تھی اسلئے اس موقع پر عبوس کا اثر آپ کی پیشانی پر ظاہر ہوگیا کیونکہ اس سے انکی دل شکنی کچھ نہیں ہوئی اگر وہ بینا ہوتے تو ہرگز آپ پر عبوس کا اثر ظاہر نہوتا رہا یہ سوال کہ جب آپکا یہ عذر تھا تو حق تعالیٰ نے عتاب کیوں فرمایا اسکا جواب یہ ہے کہ حضور کی بڑی شان ہے حق تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے اخلاق اعلیٰ درجہ کے کامل ہوں پس گو اسجگہ بوجہ ایک عارض کے ان صحابی کی دلشکنی نہوئی لیکن وہ فعل تو ایسا تھا کہ اگر صحابی کو اسکی اطلاع ہوجاتی تو ان کی دل شکنی ہوتی پس ایسا فعل کبھی نہ کیا جائے جو آپ کے پاس آنے والوں کیلئے دل شکنی کا سبب کسی درجہ میں بھی ہوسکتا ہو سبحان اللہ کیا پاکیزہ تعلیم ہے آج کل لوگ اسکو اخلاق سمجھتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ناگواری ظاہر نہ کریں اور اگر اسکا اطمینان ہوجائے کہ دوسرے کو ہماری ناگواری معلوم نہیں ہوسکتی تو پھر اسکی رعایت نہیں کرتے حق تعالیٰ نے اسپر متنبہ فرمادیا کہ یہ بات کمال اخلاق کے منافی ہے ۔ اب ایک سوال یہ باقی رہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے اہم کام

میں مشغول تھے جو ان صحابی کی تعلیم سے مقدم تھا تو ان صحابی کا اس اہم کام میں مخل ہونا
ضرور موجب گرانی تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ناگواری میں مصیب تھے پھر عتاب
آپ پر کیوں ہوا ان صحابی پر ہونا چاہئے تھا کہ یہ ایسے ناوقت کیوں آئے اسکا جواب یہ ہے
کہ لفظ اعمیٰ میں ان صحابی کا عذر بھی مذکور ہے کہ وہ بوجہ نابینا ہونیکے معذور تھے انکو یہ
خبر تھی کہ حضور اسوقت کس کام میں مشغول ہیں۔ اور دوسرا جواب حق تعالی نے آگے بیان
فرمایا ہے اما من استغنیٰ فانت لہ تصدی وما علیک ان لا یزکی جسکا حاصل یہ ہے
کہ جن کفار کو آپ تبلیغ فرما رہے تھے وہ طالب نہ تھے محض حضور کا دل چاہتا تھا کہ وہ
ایمان لے آئیں لیکن وہ خود حق سے اعراض کرتے تھے اور صحابی طالب حق تھے اس صورت
میں کفار کی اصلاح موہوم اور صحابی کی اصلاح متیقن تھی تو آپ نے اصلاح موہوم کا اسقدر
اہتمام کیوں فرمایا کہ اسوقت طالب حق کا آنا گراں ہونے لگا اگر ان غریبوں کے آنے سے وہ
چلے جاتے تو آپ کی جوتی سے آپ کو بھی ان کے ساتھ استغنا کا برتاؤ کرنا چاہئے تھا اور
صحابی کی تعلیم میں مشغول ہو جانا چاہئے تھا جسکی اصلاح یقینی تھی پس یہاں سے یہ مسئلہ بتلا دیا
گیا کہ منفعت موہومہ پر منفعت متیقنہ کو مقدم کرنا چاہئے چنانچہ حق تعالی نے ابن ام مکتوم
کی اصلاح میں ذراسی تاخیر کرنے پر عتاب فرمایا ہے حالانکہ اس تاخیر سے وہ فوت نہ ہوئی جاتی
تھی پس تعلیم اصول کی تقدیم اسوقت ہے جب نفع کے مظنون اور متیقن ہونے میں دونوں
مساوی ہوں ورنہ متیقن مقدم ہوگا مظنون پر لیکن آج کل عام طور پر مسلمان اسکے خلاف کر رہے
ہیں کہ ایک موہوم دنیوی منفعت کیلئے اپنے ان منافع دینیہ کو برباد کر رہے ہیں جو اسوقت
انکو حاصل ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالی نے لفظ دنیا میں
ہمارا عذر بیان فرمایا ہے کہ لو ہم تمہارے عذر کو بھی بیان کئے دیتے ہیں کہ تم دنیا کو اسوجہ سے
آخرت پر مقدم کرتے ہو کہ اسکے منافع قریب اور عاجل ہیں لیکن اسکا جواب بھی سن لو والآخرۃ
خیر وابقیٰ اسمیں جواب ہے اس عذر کا جس سے اسکا غلط ہونا معلوم ہو گیا حاصل جواب کا یہ ہے
کہ کسی منفعت کا محض عاجل ہونا اسکی ترجیح کیلئے کافی نہیں بلکہ ترجیح کے اور اسباب بھی ہوتے
ہیں سو دنیا میں ہر چند یہ صفت ہے کہ وہ عاجل ہے مگر آخرت میں اسکے مقابل دو صفتیں ہیں

ایک خیریت دوسرے بقا یعنی دنیا سے آخرت عمدہ اور کثیر بھی ہے اور پائدار رہنے والی بھی ہے دنیا میں نہ وہ عمدگی اور زیادت ہے نہ پائداری ہے اور ان دونوں میں سے ہر صفت ایسی ہے کہ اُسکے مقابل وصف عاجل کو ہرگز کوئی ترجیح نہیں دیتا کیونکہ اگر عاجل ہونا ہمیشہ موجب ترجیح ہو تو پھر تجارت کبھی نہ ہوسکے کیونکہ اسمیں سرمایہ عاجلہ کو اسوقت لگانا پڑتا ہے اور نفع زائد آجل ہے لیکن تمام عقلاء اسوجہ سے تجارت کو موقوف نہیں کرتے کہ اسکا نفع بعد میں حاصل ہوتا ہے اور سرمایہ اسوقت موجود ہے بلکہ سب لوگ خوشی کے ساتھ موجودہ سرمایہ کو تجارت میں لگا دیتے ہیں محض اس امید پر کہ آئندہ نفع زائد ملیگا معلوم ہوا کہ زیادت وکثرت کے مقابلہ میں وصف عاجل نظرانداز کردیا جاتا ہے پھر تم آخرت پر دنیا کو اس وجہ سے کیوں مقدم کرتے ہو کہ وہ عاجل ہے اور آخرت آجل ہے تمنے یہ بھی سوچا کہ آخرت دنیا سے کتنی زیادہ اور کتنی عمدہ ہے اسی طرح زراعت بھی دنیا میں نہ ہوسکتی کیونکہ اسمیں بھی موجودہ غلہ کو آئندہ کی امید پر مٹی میں ملا دیا جاتا ہے اگر تم منفعت عاجلہ کے ایسے ہی عاشق ہو بس زراعت کو بھی جواب دیدو مگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ ہر سال زراعت کرتے ہو کیونکہ اسمیں زیادہ ملنے کی امید ہے پھر آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے اس وصف کو کیوں دیکھتے ہو کہ وہ عاجل ہے اور یہ آجل ہے ارے وہ آجل ایسی ہے کہ اسکے سامنے دنیا کسی قابل بھی نہیں - اور دوسری صفت آخرت میں یہ ہے کہ وہ ابقیٰ ہے بہت پائدار ہے اور پائداری بھی خود ایسا وصف ہے کہ اسکے مقابلہ میں وصف عجلت کوئی چیز نہیں چنانچہ دنیا میں اسکی صدہا نظیریں ہیں ایک شخص آپ کو مکان دینا چاہتا ہے مگر اسکے پاس دو مکان ہیں ایک تو کچا بنا ہوا ہے اور چھوٹا بھی ہے اور دوسرا پختہ اور عالیشان ہے اور وسیع بھی ہے وہ آپ سے کہتا ہے کہ اگر تم پختہ مکان لینا چاہو تو میں یہ بھی دیسکتا ہوں مگر چار سال کے بعد یہ واپس لے لیا جاویگا اور اگر کچا مکان لینا چاہو تو وہ ہمیشہ کیلئے تمھاری ملک کردونگا اب بتلایئے آپ کیا کرینگے - یقیناً ہر عاقل یہی کہیگا کہ بھائی اس عالی شان محل سے جو عاریۃً ملتا ہو وہ کچا مکان اچھا جو دوامًا ملک ہو مگر افسوس تم دنیا و آخرت کے معاملہ میں اس فیصلہ کو نظرانداز کرتے ہو کہ آخرت کو جو دوامی ہے دنیا کیلئے چھوڑتے ہو جو چند روزہ ہے انسان کی حیات

ہی کیا ہے بعضے لوگ رات کو اچھے خاصے سوئے اور صبح کو مرے ہوئے پائے گئے اس ناپائدار مردار کیلئے تم اپنا اصلی وطن برباد کرتے ہو جو ہمیشہ کیلئے حق تعالی تمھارے نام کرنا چاہتے ہیں پھر مزہ یہ کہ یہاں پر معاملہ برعکس ہے کہ دنیا ئے عاجل کوئی عالیشان و خوبصورت بھی زیادہ نہیں آخرت اُس سے کہیں وسیع اور کتنی ہی بڑی ہے اور نہایت خوبصورت و عالیشان ہے تو یہاں تم ایک کچے ناپائدار مکان کیلئے جو عاریۃً مل رہا ہے اور عاریت بھی سال دو سال کیلئے نہیں بلکہ ایک دو لمحہ کیلئے کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں شاید ہمیں نفس نفس واپسیں ہو۔ ایسے عمدہ و عالیشان محل کو چھوڑتے ہو جو دواماً تمھاری ملک کیا جاتا ہے اب بتلاؤ تمھارا وہ عذر کہاں گیا کہ صاحب دنیا تو ابھی مل رہی ہے اور آخرت کا معاملہ اودھار پر ہے صاحبو دنیا تمکو ایک دو لمحہ کیلئے مل رہی ہے جسمیں کچھ راحت نہیں تکلفت ہی کلفت ہے اور آخرت ہمیشہ کو مل رہی ہے جہاں رنج و غم کا نام نہیں جسکو دیکھکر بیساختہ کہوگے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب ○

اب ایک شبہ رہگیا وہ یہ کہ طالبان دنیا شاید یوں کہیں کہ ہم جو تجارت وزراعت میں نفع آجل زائد کو نفع عاجل پر ترجیح دیتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ تجارت وزراعت میں وہ نفع آجل چھ مہینہ یا سال بھر کے اندر ملجاتا ہے اور آخرت کا اودھار ایسا ہے کہ نہ معلوم کب ملے گا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تاخیر زائد کی وجہ سے عاجل کو ترجیح اسوقت ہو سکتی ہے جبکہ موجل کے ملنے کا پورا یقین نہو اور اگر پورا یقین ہو کہ یہ موجل ضرور ملیگا تو وہاں تاخیر زائد کی بنا پر عاجل کو ترجیح نہیں ہو سکتی اب یہ دیکھو کہ آخرت کا وقوع محتمل ہے یا یقینی فرماتے ہیں ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ ○ یعنی آخرت کا آنا ایسا یقینی ہے کہ خبر متواتر سے ثابت ہے ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے وقت سے اسکی خبر ہر زمانہ میں دیجا رہی ہے لہذا یہ عذر بھی باطل ہوا۔ اور ایک جواب میں پہلے دیچکا ہوں کہ آخرت کے آنے میں صرف تمھاری موت کی دیر ہے مرنیکے بعد ہی سے تمکو آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہو جائیگا اور مرنے میں دیر کیا ہے زندگی کا دو منٹ بھی بھروسہ نہیں لہذا تاخیر زائد کہنا ہی غلط ہے

اور ایک تیسرے جواب کی طرف اس آیت میں ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا نام ذکر کرکے اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اعمال آخرت کا ثمرہ سب ادھار ہی نہیں ہے بلکہ حیات دنیا میں بھی اسکے ثمرات حاصل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے واقعات دنیا کو معلوم ہیں کہ انھوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی تھی تو خدا نے اُن کو دنیا میں بھی کیسی کامیابی اور فلاح وعزت وراحت عطا فرمائی کہ اُن کے دشمن مغلوب ومقہور ہوئے اور وہ غالب وقاہر ہوئے دشمنوں کے نام لینے والے بھی نابید ہوگئے اور ان حضرات کے نام لینے والے اتباع وتعظیم کرنے والے ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں تو خیریت وبقاء آخرت کا نمونہ دنیا میں بھی اللہ کے بندوں کو عطا ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ دنیائی راحت وعزت بھی اسی سے حاصل ہوتی ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیجائے چنانچہ بحمد اللہ ہر زمانہ میں جو لوگ آخرت کے طالب ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں ان کو اہل دنیا سے زیادہ راحت وعزت حاصل ہے اور یہی اہل دنیا کا مقصود ہے سو یہ بھی اہل آخرت کو زیادہ حاصل ہے اب اس مضمون پر کوئی اشکال نہیں رہا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دو اسکے بعد طلب دنیا کی بھی ممانعت نہیں بس جو کام کرو اسمیں یہ دیکھ لو کہ آخرت تو برباد نہیں ہوتی اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمکو فہم سلیم عطا فرماویں اور عمل کی توفیق ہو۔ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۰

مدلل و مکمل بہشتی زیور

میں خاص رعایت

بہشتی زیور وہ جامع اور مقبول کتاب ہے جو محتاج تعریف نہیں۔ گو حاسدین اور معاندین نے مختلف عنوانات سے عوام کو اس سے متوحش کرکے اسکے مٹانے کی کتنی ہی کوشش کی مگر وہ خدا کے فضل سے چراغے کہ ایزد بر فروزد ہی کا مصداق ثابت ہوا۔ اس وقت تک مختلف مطابع میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں طبع ہوئی ہے اور ہو رہی ہے بعض جگہ اچھی چھپی بعض جگہ کچھ خراب اور بعض جگہ تو بالکل مسخ ہی کر دیا۔ اتفاق سے آجکل کسی جگہ سے اچھی چھپی ہوئی دستیاب نہیں ہوتی اور جن اضافات کے ساتھ اس مرتبہ طبع کا قصد کیا ہے وہ تو کہیں مل ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بالکل نئے اور کارآمد اضافات ہیں اس بہشتی زیور کی خصوصیات اوّل یعنی ایک تو ابتک بہشتی زیور میں صرف مسائل تھے۔ مگر ان مسائل کی نسبت بوجہ اسکے کہ اسکے مخاطب عوام تھے یہ تصریح کی گئی تھی کہ کہاں سے لئے گئے ہیں اور زیادہ تر اس سے معاندین کو اعتراض کا موقعہ ملتا تھا۔ اب ہر مسئلہ کے ساتھ حوالہ کتاب مع صفحہ و سطر لکھوایا گیا ہے کہ یہ مسئلہ مثلاً شامی میں ہے یا عالمگیری میں ہے اور بہشتی زیور میں اس کو اردو کا جامہ پہنا دیا گیا ہے جس سے طالب کو مزید اطمینان اور معاند کو خذلان نصیب ہو نیز اس لغو اعتراض کا بھی جواب ہو جاوے کہ اسمیں شرمناک مسائل ہیں جواب ظاہر ہے کہ یہ امر سب کتب فقہ میں مشترک ہے اور انکے بھی اردو ترجمے ہو گئے ہیں تو اس کتاب کی کیا خطا۔ **دوسرے** یہ کہ حضرت حکیم الامت مؤلف دام ظلہم نے محض احتیاطاً اپنی بعض تصانیف پر ایک صاحب علم سے اس لئے نظر کرائی کہ اگر کسی مسئلہ میں انکو حضرت حکیم الامت دام ظلہم سے اختلاف ہو تو وہ اسکو ظاہر کر دیں تاکہ آخرت کا بار مجھ پر نہ رہے دونوں رایوں کے سامنے ہوتے ہوئے طالب خود تحقیق کرکے عمل کر سکتا ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور پر بھی اسی طرح نظر کرائی گئی اور اسمرتبہ اسکو بھی ہمراہ شائع کیا جاویگا **تیسرے** اسمرتبہ خود حکیم الامت حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مؤلف بہشتی زیور دام ظلہم سے مواقع مشتبہ میں نظر ثانی کرائی گئی ہے اب گویا یہ **مدلل و مکمل بہشتی زیور** ہو گیا۔ اور یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر ایکہزار فرمائشیں آجاویں تو اسکو طبع کرانا شروع کر دیا جائے۔ لکھائی چھپائی کاغذ انشاء اللہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔

رعایت خاص۔ اور بعد خریداری اگر پسند نہو تو تین دن کے اندر اندر واپس کر سکتے ہیں۔ جو حضرات بذریعہ وی پی طلب فرماویں گے وہ بھی وی پی وصول ہونے سے تین دن کے بعد واپس کر سکتے ہیں مگر واپسی کا محصول انکے ذمہ ہوگا۔ قیمت علاوہ محصولڈاک ۵ ہے۔

رعایت بر رعایت۔ اور پیشگی فرمائش کرنیوالوں سے بجائے ۵ مجلد کے ڈاک للعہ پیشگی میں روپیہ طلب نہیں کیا جاتا صرف نام لکھا جاتا ہے۔ بعد طیاری وی پی ارسال ہوگا۔ والسلام

المشتہر احقر محمد شبیر علی مالک اشرف المطابع تھانہ بھون ضلع مظفر نگر